

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

www.safareadab.com

ایک خطا اور

اسریبہ شیخ



ایک خطا اور



از قلم اریبہ شیخ

All Rights Reserved

Copyright: Areeba Shiekh (Author)

Published by: Safar-e-Adab

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

safareadab@gmail.com

khanumaira@safareadab.com

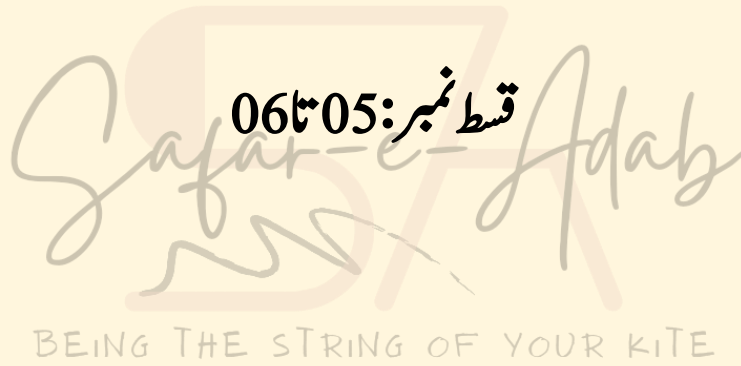
adab@safareadab.com

Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

ضروری بات

ایک خطا اور کے تمام جملہ حقوق لکھاری " اریبہ شیخ " کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہوگی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کارروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔





انسان بھی کتنا کمال ہوتا ہے نا..!

کہتے ہیں موت سے ہر کوئی ڈرتا ہے..

مگر وہ ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے..

پھر وہ موت دل کی ہو یا دماغ کی..

کیا فرق پڑتا ہے..

مگر کیا خود کی موت کی بات ہو رہی ہے؟..

ارے نہیں نہیں شیخ..

اپنی موت سے تو ہر کوئی گھبراتا ہے..

یہاں تک کہ حیوان و شیطان بھی..

پھر یہ ادنیٰ انسان کیا چیز ہے..

انسان مردہ کر دیتا ہے دوسروں کو..

کبھی بے اعتباری کے ذریعے تو کبھی بدلے کے ذریعے..

کبھی اپنی باتوں سے تو کبھی اپنی بے رُخی سے..

کبھی اپنی پشیمانی سے تو کبھی غرور سے..

ہاں! پھر بھی خود کو نادان سمجھ لیتا ہے..

زیادہ نہیں خود کو خدا سمجھ لیتا ہے..

پاگل اپنی خطاؤں سے دستبرداری کو..

بے حد آسان سمجھ لیتا ہے..

ارے کوئی بتاؤ جا کر اس صاحبِ عقل کو..

گناہوں سے راحت آسان نہیں ہوتی..

مر کر مرنا پڑتا ہے بخشش کے لیے..

زندہ کرنا پڑتا ہے اُن مردہ دلوں کو..

اتنی آسان سمجھ لیتا ہے یہ خدا سے معافی..

یہ انسان بھی کتنا نادان ہوتا ہے نا!



"بیٹھے انسپکٹر"۔ جعفری صاحب ہاتھ سے اشارہ کرتے خود بھی انوشے بیگم کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئے۔ اذلان اُن کی طرف ایک نظر دیکھتا مقابل صوفے پر اپنی نشست سنبھال گیا۔ اُس کے ساتھ ایک جوئیر انسپکٹر بھی موجود تھا۔ ڈرائنگ روم میں اس وقت ان چاروں کے علاوہ کوئی بھی موجود نہ تھا۔ بارش تھم چکی تھی مگر تیز ہوائیں ابھی بھی اپنا رخ کیے ہوئے تھی۔ انوشے بیگم کبھی جعفری صاحب کو دیکھتی تو کبھی اپنے جلے ہوئے ہاتھ کو۔۔ جیسے وہ مسلسل اپنے دوسرے ہاتھ سے چھپانے کی کوشش میں تھی۔ ماتھے پر ابھی بھی ننھے ننھے قطرے موجود تھے۔

اذلان اضطرابی کیفیت میں اپنی ٹانگ کو جھلارہا تھا۔ وہ اس وقت اپنے مخصوص یونیفارم میں موجود جو اُس کے وجیہ چہرے کو چمکا سے رہا تھا۔۔ پرکشش معلوم ہو رہا تھا۔۔ مگر وہ چمک اس کے چہرے پر پھیلی بیزاری کو چھپانے میں ناکام سی ٹھہر رہی تھی۔

"میرے خیال سے ہمیں بات کا اصل مقصد جان لینا چاہیے۔" اذلان اپنے ہاتھوں کی مٹھیوں کو بھینجتا گویا ہوا۔ اُسے عجیب سی وحشت ہو رہی تھی اس سیاہ محل سے۔

جعفری صاحب نے آبرو اچکا کر اُس کا انداز ملاحظہ کیا۔ وہ تو جیسے اُن کی حیثیت کو نظر انداز کیے ہوئے تھا۔ مگر پھر بھی خود کو نارمل کرتے اک فائل میز پر رکھی۔ آنکھوں سے اشارہ کرتے دیکھنے کو کہا۔ اذلان

ان کی آنکھوں کو پر سوچ نظروں سے دیکھتا رہا مگر فائل کی جانب ابھی بھی ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔ انوشے بیگم بے چینی سے پہلو بدل گئی۔

اذلان کے ساتھ بیٹھا انسپکٹر جعفری صاحب کو دیکھتا جھکتے ہوئے فائل پکڑتا اذلان کی جانب بڑھا گیا۔ وہ گہری سانس لیتا فائل تھمتے پیچھے کو ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

اذلان کو فائل کھولتے دیکھ انوشے بیگم کی سانسیں جیسے کہی اٹک سی گئی۔ وہ چند لمحے ان صفحوں کو دیکھتا رہا پھر فائل بند کر تادر میان میں پڑی میز پر رکھ گیا۔

"اس کی وجہ؟" نظروں سے میز پر پڑی فائل کی طرف اشارہ کیا۔

"ہم اسلم پاشا کی پارٹی پر کیس کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں شک ہے کہ اُس نے مجھ سے بدلہ لینے کے لیے میرے بیٹے کو مروایا ہے۔ یہ رپورٹ ثبوت کے طور پر کافی ہوگی۔" جعفری صاحب سنجیدگی سے وضاحت دینے لگے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"لیکن آپ لوگوں نے ہی تو اسے خود کشی ڈیکلیئر کیا تھا۔" آنکھیں چھوٹی کیے جیسے وہ ان کے اندر تک جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اس وقت ہم غم میں تھے۔۔۔ کچھ سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے مگر اب جب یہ رپورٹ واضح ثبوت ہے تو ہم پیچھے کیوں ناپڑے؟" وہ اپنی انگلیوں کے پوروں سے غائبانہ نمی صاف کرنے لگے۔

انوشے بیگم ابھی بھی رکی ہوئی سانسوں کے ساتھ سب میں موجود تھی۔

"ہم کیسے مان لے کہ یہ رپورٹ سچی ہے؟" اب کی بار اذلان کا رخ انوشے بیگم کی جانب تھا۔ وہ اپنی طرف رخ موڑتا دیکھ مزید اپنی سانسیں روک گئی۔ اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتی ہیل کی ٹک ٹک نے سب کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔

نیمل گہرے سبز رنگ کا کرتا فلیسیئر پہنے اپنی سیاہ بریک ہیل سے ماحول میں ارتعاش پیدا کرتی دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔ ڈرائنگ روم میں یک دم سے خاموشی پھیلی۔ اذلان اُسے دیکھتا اپنی نظریں پھڑتافائل پکڑ کر دوبارہ کھولنے لگا۔ جیسے اُس کے آنے سے کوئی فرق ہی نا پڑا ہو۔ یا شاید خود کو مصروف ظاہر کرنا اُس کے لیے یک دم اہم ہو گیا تھا۔ مقابل کا نظریں پھیرنا نیمل کے دل میں ہونک سی اٹھا گیا۔ معاً نظریں اُس پر سے ہوتی اس کے ہاتھ پر آٹھری۔ اچھنبے سے جعفری صاحب کو دیکھا جو کچھ حیران سے تھے۔ شاید وہ نیمل کی یہاں موجودگی کی توقع میں نا تھے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ڈیڈ۔۔ یہ سب؟" وہ ان کے حیران تاثرات کو نظر انداز کرتی سوال کر گئی۔ (آفیسر صاحب کا یہاں کیا کام؟)

"میرے خیال سے باقی کی تفصیلات ہم کل ڈسکس کر سکتے ہیں۔" جعفری صاحب ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے اذلان سے مخاطب ہوئے۔ وہ بنا کچھ کہے صوفے سے کھڑا ہوتا دروازے کی جانب بڑھا۔ جو نیئر انسپکٹر بھی اُس کے پیچھے پیچھے ہی تھا۔

دروازے پر پہنچتا وہ ایک لمحے کو ٹھہرا۔ نیمل دروازے کے پاس ہی کھڑی تھی۔ اُسے دیکھتے ایک طرف کو ہوئی۔ اذلان کی آنکھوں میں اک لمحے کے لیے شکوہ پڑھتی جانے کیوں وہ بے چین سی ہو گئی۔ کیوں اُس کی آنکھیں شکوہ کر رہی تھی؟۔ کیا واقعی جو سب ہوا اس میں اُس کا قصور تھا؟۔ وہ مزید لمحے کی دیر کیے بغیر آگے کو بڑھ گیا۔ اگر نیمل نا آتی تو کوئی بعید نہ تھا کہ وہ وجہ جان لیتا۔ مگر اس کے آنے کے بعد اذلان خود اُس کے پاس موجود نہیں ہونا چاہتا تھا اسی لیے وہ بنا کچھ کہے چلا پڑا۔

"ڈیڈ۔۔ آپ۔۔" اس سے پہلے نیمل کچھ پوچھتی جعفری صاحب اسے اپنے پیچھے اسٹڈی روم میں آنے کا کہتے خارجی دروازہ عبور کر گئے۔۔

انوشے بیگم خاموشی سے دیکھتی گہرے گہرے سانس بھرنے لگی۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو؟۔ یہ سوچتے ہی ان کا خون منجمد ہونے لگا۔۔ سانسیں بھاری ہونے لگی۔ وہ خود کو پکارتی ملازمہ کو نظر انداز کیے جلدی سے اپنے کمرے کی جانب بھاگی۔۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

کمرے کا دروازہ جلدی سے بند کرتی بیڈ پر بیٹھتی ساتھ پڑی دراز سے کچھ نکالنے لگی۔۔ پیلے رنگ کی دوائیوں کا پتہ۔۔ کانپتے ہاتھوں سے پانی کو گلاس میں انڈیلیتی فوراً دو گولیاں اکٹھی نکل گئی۔۔ بھاگنے کی وجہ سے سانسیں ابھی تک پھولی ہوئی تھی۔ پانی منہ سے نکلتا کپڑوں کو گیلا کر گیا۔ وہ بیڈ کراون سے ٹیک لگاتی آنکھیں موند گئی۔ نظروں کے سامنے ایک منظر گزرا جا ہوا وہ رپورٹ میں تبدیلی کرنے کا کہہ رہی تھی۔

"یہ ہے اور یجنل فائل۔۔ مجھے اس کی ڈپلیکیٹ چاہیے۔ مگر ایک تبدیلی کے ساتھ۔۔ تم سمجھ رہے ہونا میری بات؟۔ وہ حکم دیتی ارد گرد دیکھنے لگی۔

"جی۔۔ مگر میں یہ نہیں کر سکتا۔۔ میں۔۔" ابھی لیب میں کھڑا وہ ڈاکٹر کچھ کہتا جب ان کے ہاتھوں میں نوٹوں کی گڈیا دیکھتے رُک گیا۔

"کام پکا چاہیے۔" انوشے بیگم مسکراتی نوٹ بڑھا گئی۔

"تبدیلی بتائیے۔" ڈاکٹر کمینگی سے مسکراتا گڈیا جیب میں ڈال گیا۔

پل میں کیسے رنگ بدل جاتے ہے نہ لوگ۔۔

"اس autopsy report کے مطابق مقتول کے دل میں سوراخ تھا۔ بس اسی بات کی نفی کرنی ہے تمہیں۔۔ سمجھے میری بات۔؟ وہ آنکھیں چھوٹی کیے ڈاکٹر کے ہاتھ میں پکڑی فائل کو دیکھتے ہوئے حکم دے گئی۔

"ہو جائے گا۔ بے فکر رہے۔" اپنی جیب کو تھپتھپاتا فائل پر اپنی گرفت مضبوط کر گیا۔

انوشے بیگم خاموشی سے ادھر ادھر دیکھتی باہر نکل گئی۔

ہاتھوں میں کپکپاہٹ کم ہونے لگی تھی۔۔ منظر بھی ہوا میں تحلیل ہوتا گیا۔ انوشے بیگم آنکھیں کھول گئی۔ جعفری صاحب کو فائل سے غرض تھی۔ جب ان کے ہاتھ میں فائل تھمائی گئی تھی تو اپنی جیت کی خوشی میں اس قدر مگن تھے کہ پوری رپورٹ پڑھنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ بس اسی بات کو غنیمت جانتے انوشے بیگم نے رپورٹ تبدیل کر وادی۔ اگر جعفری صاحب کو پتہ چل جاتا کہ رپورٹ کے مطابق مرنے والے کے دل میں سوراخ تھا تو وہ فوراً پہچان جاتے کہ رپورٹ ادا صعم کی نہیں ہے پھر انھیں انوار کی غفلت کی بھی خبر ہو جاتی جو وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کیوں کہ یہ کام انہوں نے انوشے بیگم کو سونپا تھا۔ پھر وہ اچھے سے جانتی تھی کہ جعفری صاحب کتنے سفاک ہے۔۔ بیٹانا جائز تھا مگر تھا تو اپنا خون۔۔ اور خون سے قیمتی اور کیا ہی ہو سکتا تھا۔۔ جب وہ اُس کو نہیں بخش سکے تو انوشے بیگم کا کیا حال کرتے۔

Safar-e-Adab



BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اب آپ بتانا پسند کر گے مجھے؟"

نیمل ضبط سے پوچھتی میز پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتی آگے کو جھکی۔۔ جعفری صاحب میز کے دوسری طرف رکھی کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھتے ہاتھوں کو باہم ملا گئے۔

"ہم اسلم پاشا پر ادا صعم کی موت کا الزام لگائے گے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

وہ جھٹکے سے سیدھی کھڑی ہوئی۔۔ اپنے کانوں پر جیسے یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

"یہ کوئی مشکل بات تو نہیں ہے جو تم سمجھ نہیں سکتی اور نہ ہی کوئی بچی ہو جو سیاست کو بھی نہ سمجھ سکے۔ آخر کو وکیل ہو۔۔ جانتی ہو گی میری بات کا مطلب۔۔"

"آپ میرے بھائی کی موت کا استعمال کرے گے؟"

وہ حیرت زدہ سی پوچھنے لگی۔۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ اپنے بیٹے کے لیے کوئی ایسا کیسے سوچ سکتا ہے۔؟

"دیکھو نیمل۔۔ جو چلا گیا اب غم منانے سے واپس تھوڑی نا آجائے گا۔۔ اگر وہ جا کر بھی کام آرہا ہے تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟"

اُف کیا بے حسی تھی اُنکی۔۔

"بیٹا تھا وہ آپ کا ڈیڈ۔۔ اور آپ نے کونسا غم منایا ہے ان کی موت کا؟" لہجے میں دبا دبا سا غصہ در آیا۔

"نیمل۔۔ دیکھو اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔۔ الیکشن جیت کر میں تم لوگوں کے عیش کے لیے ہی تو کر رہا ہو سب کچھ۔"

"نہیں چاہیے ہمیں یہ ایش و عشرت۔۔ جو کسی کی میت پامال کر کے حاصل ہو۔" اس کی بارغصے میں ناگوری بھی شامل تھی۔

"نیمل میری کوئی غلط نیت نہیں ہے۔۔ تم لوگوں کے ہی تو رزق کی فکر ہے۔۔"

"رزق دینا یہ نادینا اللہ کے اختیار میں ہے آپ کے نہیں۔۔ آپ نہیں دے سکتے ہمیں کوئی رزق اگر وہ نا چاہے۔۔" اور اگر خدا لوگوں کو ان کی نیت کے مطابق رزق دیتا تو آج دنیا کے زیادہ تر لوگ فاقو سے مر رہے ہوتے۔۔" نیمل کی آنکھوں میں نمی در آئی جس کو چھپانے کے لیے وہ رخ موڑ گئی۔

"مگر۔۔۔" جعفری صاحب نے کچھ کہنا چاہا۔

"جو بھی ہو۔۔ آپ کیس نہیں کرے گے۔۔" فیصلہ اٹل تھا۔

"اس نے خود کش۔۔۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"نہیں کی میرے بھائی نے خود کشی۔۔ نہیں کی کتنی مرتبہ مجھے بتانا پڑے گا یہ۔۔ قتل تھا وہ۔۔ قتل" رخ جھٹکے سے واپس موڑتی اُس نے قتل پر اچھا خاصا زور دیا۔

"یہ۔۔۔ ی۔۔۔ تم۔۔۔ کیسے؟" جعفری صاحب تو یک دم گھبرا گئے۔ کہی وہ کچھ جان تو نہیں گئی؟

"اتنا حیران کیوں ہو رہے ہیں ڈیڈ؟۔۔۔ جب میں اتنی دور رہ کر بھی اپنے بھائی کے بارے میں جان سکتی ہو تو آپ کیوں نہیں؟۔۔۔ آپ تو اس کے قریب تھے۔۔۔ آپ کو تو پتہ ہونا چاہیے کہ وہ خود کشی جیسے گناہ کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔۔۔ خدا کے کتنا قریب تھا وہ۔۔۔" بے بسی سے کہتی وہ سر ہاتھوں میں گر گئی۔

"بیٹا۔۔۔ تم۔۔۔" بہانے ابھی بھی جاری تھے۔

"اصل بات پتہ ہے کیا؟۔۔۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔۔۔ قتل تھا وہ۔۔۔ مگر آپ میرے بھائی کے اصل قاتل کو ڈھونڈنے کی بجائے بزدلوں کی طرح اپنی کرسی کے لیے گھٹیا سیاست کھیل رہے ہیں۔۔۔" وہ اونچی آواز میں بولی۔

"نیمل۔۔۔"

جعفری صاحب دھاڑے۔۔۔ خود کو بزدل کیسے سن سکتے تھے وہ۔

وہ اپنی مٹھیوں کو سختی سے بھینجتی ایڑھیوں کے بل جانے کو پلٹی۔۔۔ دو قدم چلی تھی کہ جعفری صاحب کی آواز پر رر کی مگر مڑی نہیں۔

"بس۔۔۔ مجھے جو صحیح لگے گا وہ میں کرو گا۔۔۔ اسلم کو راستے سے ہٹانے کے لیے مجھے جو.. کرنا.. پڑے.. گا.. میں.. کروں.. گا.. پھر چاہے تم خوش ہو یا نا ہو۔۔۔ تمہیں بتانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ تم ادا صعم کے قریب تھی۔۔۔ ورنہ مجھے جو کرنا ہوتا ہے کسی کو بتا کر یہ اجازت لے کر نہیں کرتا۔۔۔" لہجے میں یک دم غرور ٹپک آیا۔

"تو ٹھیک ہے پھر۔۔ ڈیڈ۔۔ میں بھی نیمل جعفری ہو۔۔ آپ کا خون۔۔ ضد اور جنون آپ سے ہی لیا ہے۔۔ میں بھی دیکھتی ہوں۔۔ کیسے میرے بھائی کی موت کو استعمال کیا جاتا ہے۔۔ اگر آپ نے یہ کیس کیا تو پھر میں بھی وہ کروں گی جو کسی کے گمان میں بھی نہیں ہو گا۔"

وہ ایک لمحے کا توقف لیے رکی۔۔ نظریں سامنے دیوار پر لگے پوٹریٹ پر جاتھی۔

"نیمل جعفری اپنی زبان کی پکی ہے۔۔ ایک بار جو کہہ دیا وہ میں کر کے بھی دیکھاتی ہوں۔۔ پھر چاہے مقابل دشمن ہو یا دوست۔۔ نفی کی صورت میں تباہ کرنے سے گریز نہیں کرتی۔۔" اب کی بار وہ مڑی۔ لبوں پر مسکراہٹ سجائے اُن کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھنے لگی۔

"اے کم ان ڈیڈ۔۔ اتنا تو آپ کو اپنی بیٹی کے بارے میں پتا ہونا چاہیے تھا۔۔ پر کوئی بات نہیں آپ گو گل کر سکتے ہیں۔"

تمسخر سے کہتی سامنے لگی دیوار پر نسب سیاہ گیدڑ کے پوٹریٹ پر ایک اچھٹی نگاہ ڈالتی تیز تیز قدم اٹھاتی دروازہ دھکیل کر چلی گئی۔

پچھے اسٹڈی روم میں گیدڑ کی سیاہی کی طرح ہی جعفری صاحب کارنگ بھی سیاہ ہوتا جا رہا تھا۔۔ شاید وجہ "شیطانیت اور منافقت" تھی۔



"میں ملنا چاہتی ہوں تم سے۔" مسلسل ہیلو کی تکرار کرنے کے بعد آخر کار دوسری طرف سے مقابل کی سرد آواز گونجی۔ بل کہ ایک عجیب سی درخواست کی گئی یہ شاید لہجہ تمکناہ ساتھ۔ وہ سمجھنا سکی۔

"کیوں؟" ایک لفظی سوال گھڑکا گیا۔ ایک لمحے کو وہ خاموش ہوئی۔ مقابل کچھ کہہ رہا تھا۔ کسی راز کے بارے بتانا چاہتا تھا۔ کسی پچھتاوے کے بارے اور ہاں کسی امانت کے بارے میں بھی۔

Safar-e-Adab

وہ چند ثانیے موبائل ہاتھ میں پکڑے کسی گہری سوچ میں غطاں ہوئی۔ کسی فیصلے کو لے کر جزو برسی ہوئی۔ پھر اُس کے لبوں نے ہلکی سے حرکت کی۔۔ یقیناً وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ تصحیح کرے تو اپنی ایک نعمت کو خود گنوانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اب مقابل اُس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ سر اثبات میں ہلاتی کال بند کر گئی۔ موبائل میز پر رکھتی الماری کی جانب بڑھی۔ سیاہ رنگ کی لونگ قمیض اور ساتھ سیاہ ہی رنگ کا فالپیر نکالتے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی۔ پیچھے کمرے میں اُس کے موبائل کی اسکرین روشن ہوئی۔ میسج کی ٹیون پر وہ ڈریسنگ روم سے نکلتی سامنے میز پر ابھی موصول ہوا پیغام پڑھنے کو جھکی۔

مقابل نے پیغام میں ایک جگہ کا پتہ بھیجا تھا۔ ملاقات کی گھڑی آچکی تھی۔ لاعلمی جیسی نعمت آج اُس سے چھینی جانے والی تھی۔ وہ آنے والے عذاب سے بے خبر آب آئینے کے سامنے کھڑی اپنے بال سلجھانے لگی۔ ہالف بالوں کو پکڑتی انھیں یکپھر لگانے لگی۔

پھر وہ ڈریسنگ ٹیبل سے گھڑی اٹھاتی اپنی کلائی کی زینت بنانے لگی۔

وقت بدلنے والا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں بھی وقت بدلنے کے لیے بے تاب ہوتی ٹک ٹک کی آواز سے چلتی جا رہی تھی۔

اب وہ سامنے سے لپ لگوس اٹھاتی اپنے لبوں پر لگانے لگی۔ ایک نظر اپنے سادہ سے حلے میں بھی خوبصورت لگتے عکس کو دیکھتی گاڑی کی چابی لیتے نیچے کی جانب بڑھی۔



"تمہیں اپنے گھر چلی جانا چاہیے۔۔ تمہاری بیٹی ہے اب۔۔ کب تک میرے بیٹے کی بیوہ بن کر اپنی زندگی کو روکے رکھو گی؟" وہ اُس کا ہاتھ نرمی سے تھامتے بھرائی آواز میں مخاطب ہوئی۔

"تو کیا کروں میں آنٹی؟" اُس کے لہجے میں بھی نمی سے گھلی۔۔ وہ چاہے اُس کی محبت نہ تھا۔۔ مگر شوہر تو تھا۔۔ محافظ تھا وہ اسکا۔۔ اس کی بیٹی کا باپ۔

"دیکھو بیٹے کسی کے جانے سے زندگی رُک نہیں جاتی۔ اپنا سوچو۔۔ اپنی بیٹی کا سوچو۔ کل کو میں واپس اپنے ملک میں چلی جاؤں گی تو تنہا رہ جاؤ گی تم۔ ابھی ساری زندگی پڑی ہے تمہاری۔"

"میں کس منہ سے جاؤں وہاں؟ آپ تو جانتی ہے کس حالات میں سب کچھ ہوا۔" وہ بے بسی سے رو دی۔

"حالات کا مقابلہ کرنے میں ہی بہتری ہوتی ہے بیٹے۔ انسان اگر ایسے ہی حالاتوں کو بہانے بنائے گا تو جیتے جی مارا جائے گا۔" وہ اُس کا سر تھپتھپاتے گویا ہوئی۔

"وہ راضی ہو جائے گے؟" ڈرتے ڈرتے اُس نے سوال کیا۔

"اس کا فون آیا تھا مجھے۔" وہ آنکھوں میں عزم لیتی بولی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

مقابل کی آنکھوں میں بے یقینی اتری۔ مشکل ہی تو تھا یقین کرنا۔

"وہ جلد تمہیں لینے آئے گا۔" ابھی وہ کچھ اور بھی بتا رہی تھی۔ الفاظ گڈ مڈ ہونے لگے۔۔ فضا میں صرف ایک ہی آواز باقی رہ گئی تھی۔

"وہ لینے آئے گا۔"

"وہ آئے گا۔"



"ہر برائی کا اختتام ضرور ہوتا ہے۔"

اُسے کسی کے کہے الفاظ یاد آئے۔ یہی الفاظ تو تھے جو اُسے ہمت دیتے تھے۔۔ اذیت کے بڑھ جانے پر یہی کچھ یادیں تھیں جو اُس کے سکون کا باعث بنتی تھیں۔

بہت دیر ہو چکی تھی اُسے قید ہوئے۔ چہرہ زرد ہو چکا تھا۔ شیو بڑھی ہوئی۔۔ آنکھیں سو جی ہوئی۔۔ ماتھے پر زخم کا نشان ابھی بھی واضح تھا۔ بھوری آنکھیں آج بھی اُداس تھیں۔۔ اذیت میں تھی۔ تہہ خانہ اس وقت بھی بھیانک معلوم ہو رہا تھا۔ زمین پر پڑے کھانے کی تھال کو پکڑتا اپنی جانب کھینچ گیا۔ ہاتھ سے روٹی کو توڑتا منہ کی جانب بڑھا گیا۔ نوالے کو دیکھتے اُس کے حلق میں جیسے آنسوؤں کا ریل سا اٹکا۔۔ "کیا وہ اس سب کا حقدار تھا؟ ایک یہی سوال اُسے سکون نہیں لینے دیتا تھا۔" چند ثانیے نوالے کو گھورتے آہستہ سے اسے تھال میں رکھ گیا۔ نظریں۔ چاندی کی تھال پر سے نظر آتے اپنے عکس پر جما گیا۔ اچانک عکس تبدیل ہونے لگا۔۔ کسی اور کے عکس میں۔۔ کسی کہکشاں کی طرح۔۔ وہ یونیورسٹی کے حال میں اسٹیج پر کھڑی مائیک کے سامنے نظریں جھکائے ہوئے تھی۔ براؤن رنگ کی شال سے خود کو اچھی طرح ڈھانپے۔ چہرے پر پردہ نہ تھا۔ خوبصورت چہرہ۔۔ عنابی ہونٹ۔ نیلی خوبصورت آنکھیں۔۔ اُن پر گھنی پلکوں کی چھاؤں جو انہیں مزید خوبصورت بناتی۔ اُس کے پیچھے دیوار پر بڑا سا پوسٹر نصب تھا جس پر لکھی تحریر بہت واضح تھی۔

"Speech Compition "

پورا حال اس وقت لڑیوں سے سجایا گیا تھا۔ حال کے وسط میں کرسیوں کو قطار کی صورت میں لگایا گیا تھا جس پر اس وقت تمام اُستاد اور شاگرد اپنی نشستیں سمجھالے ہوئے تھے۔

ادامع کچھ جھنجھلایا سادو ساری قطار میں بیٹھے اپنے دوست کے سر پر سوار ہوا۔ بیگ کو کندھے سے لٹکائے وہ اُس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھا چٹکی کاٹ گیا۔

"کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ۔۔" ابھی وہ کچھ کہتا جب پورے حال میں ایک میٹھی سی آواز گونجی۔ یقیناً سامنے کھڑی طلبہ اپنی تقریر کا آغاز کر چکی تھی۔ وہ بے اختیار سامنے دیکھتا یک دم سے اپنی نظریں جھکا گیا۔ یہ ایک لاشعوری ساعمل تھا ورنہ وہ کسی پر نظر ڈالتا کچا کے صنفِ نازک پر۔۔ مگر پتا نہیں کیا کشش تھی اُس کی آواز میں جو اُسے ایک لمحے کے لیے دیکھنے پر مجبور کر چکی تھی۔ نظریں جھکائے وہ اب کی بار تقریر پر توجہ مرکوز کر گیا۔ ساتھ کرسی پر بیٹھا اُس کا دوست بھی کتاب پر کچھ لکھتا نظریں جھکائے ہوئے تھا۔ "شاید بچپن کے دوست احمد کی دوستی کا اثر تھا یا صحبت کا۔۔ زندگی بڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کر گیا تھا۔

"دوستی بھی عجب شے ہے نا۔۔ سدھارنے اور برباد کرنے کا خوب ہنر رکھتی ہے۔ دوست اچھا ہو تو بڑی رحمت ثابت ہوتا ہے ورنہ رحمت سے زحمت بننے میں دیر نہیں لگتی ہے۔" رشتوں کے معاملے میں ناسہی مگر دوستی کے معاملے میں کامیاب ٹھہرا تھا وہ۔

سامنے کھڑی طلبہ تقریر کا آغاز کرتی مسکرا اٹھی۔

"مجھ سے پہلے آئے تمام طلباء کی تقریر کا موضوع بہت شاندار تھا۔ مگر میرا موضوع ان سب سے کافی مختلف ہے۔" اُس کی آنکھوں کی چمک بڑھی۔ اپنی اساتذہ کے دیے گئے تقریر کے کاغذ کو ایک طرف کرتی وہ آگے کو جھکی۔ پہلی قطار میں پر نسیل کے دائیں طرف بیٹھی اُس کی اساتذہ کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ "سنیہا ہو۔۔ اور وہ اپنی مرضی ناکرے۔۔ دُنیا ہی نابدل جائے۔" وہی پر نسیل کے بائیں طرف بیٹھے التمش نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔ آبرو اچکا کر اساتذہ کی جانب دیکھا جو فوراً اُسے دیکھتے زبردستی کی مسکراہٹ سجائے پہلو بدل گئی۔

التمش اس یونیورسٹی کا سب سے بڑا ڈونر تھا۔ کہا کہہ سکتی تھی وہ سنیہا کو کچھ۔ ان کی بے بسی دیکھتا التمش واپس سے نظریں مانک کے آگے کھڑی اپنی رضاعی زبردستی کی بھتیجی پر جما گیا۔ "دنیا کے بارے میں تو سبھی بات کرتے ہیں۔۔ مگر میں آخرت کی بات کرنا چاہوں گی۔" وہ گہری مسکراہٹ لیے بولی۔ اساتذہ کا کہنا تھا کہ موضوع جدید دنیا کی طرح جدید ہونا چاہیے۔۔ مگر کیا کرے ہماری سنیہا جس کو شروع سے ہی قدیم دور کا کریز تھا۔

"میں بات کروں گی ان تمام لوگوں کے بارے جو طاقت رکھ کر خود کو خُدا سمجھ بیٹھتے ہیں۔ خُدا نے انسان کو امیری، طاقت اس لیے نہیں دی گئی کہ وہ دینے والے کو ہی بھول جائے۔"

"میں آپ لوگوں کو اک واقعہ سنانا چاہتی ہوں۔ ایک نظر اپنی اُستانی پر ڈالتی جو خونخار نظروں سے اُسے ہی دیکھنے میں مصروف تھی۔ تھوک نگلتی وہ التمش کو دیکھنے لگی جو تھوڑی پر ہتھیلی جمائے برے اشتیاق سے اُسے تھوک نگلتا دیکھ رہا تھا۔ اُس کے دیکھنے پر آنکھیں دبا گیا۔ سنیہا اُس کی تھوڑی دیر پہلے کہی گئی بات پر خود پر قابو پاتے دوبارہ سے بولنا شروع ہوئی۔

"آپ سب لوگوں نے قوم عاد کے بارے میں تو سنا ہی ہو گا۔ مگر کیا آپ لوگ یہ جانتے ہیں کہ قوم عاد دو طرح کی تھی۔؟" اپنی شہادت اور درمیانی انگلی کو اٹھا کر دو کا اشارہ کیا۔

"عادِ اولیٰ اور عادِ ثانیہ۔"

"عادِ اولیٰ قوم عاد کا وہ حصہ جو عذاب الہی سے نابود ہو گیا تھا اور حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ جو حصہ باقی رہا وہ عادِ ثانیہ۔"

"مگر عادِ اولیٰ کو ایک اور نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔" سب لوگ مزید تجسس سے اُس کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کے چہروں پر حیران تاثرات واضح تھے۔ ادا صمم بھی عجیب دل کے ساتھ اس کی اگلی بات کا منتظر تھا۔ التمش اب ہتھیلی کو مٹھی کی صورت ڈھالتا اپنے منہ پر رکھ گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس نے اس موضوع کا ہی انتخاب کیوں کیا۔ اُس کے لبوں سے سرگوشی سی بلند ہوئی۔ "عادِ ارم۔۔"

اسی وقت مائک میں ایک بار پھر آواز گونجی۔ "عادِ ارم"

یہ نام اس لیے ہیں کیونکہ ان کی نسل ارم بن سام بن نوح علیہ السلام سے چلی یا ایک وجہ یہ کہ ان کے شہر کا نام ارم تھا۔

اللہ پاک کی مقدس کتاب قرآن مجید میں سورۃ فجر میں بھی ہمیں اس بارے میں واضح طور پر آگاہ کیا گیا ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا؟"

إِرمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾

BEING THE STRING OF YOUR KITE

۷۔ ستونوں والے ارم کے ساتھ۔

"دنیا میں اونچے ستونوں والی عمارت پہلی بار اسی قوم نے بنانا شروع کی تھی، اس لیے انہیں اس آیت ذَاتِ الْعِمَادِ (ستونوں والے) کہا گیا ہے۔"

"عادِ ارم کے لوگ جو کے ارم شہر میں رہتے تھے بہت ترقی یافتہ تھے۔ اللہ پاک نے انہیں بے شمار طاقت و قوت سے نوازا تھا۔ اسی قوم کے دو بادشاہ ایسے تھے جو ان سب میں سے سب سے زیادہ جلال اور طاقتور تھے۔۔۔ دولت کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ وہ دونوں بھائی تھے۔۔۔ ایک کا نام شدید اور دوسرے کا شداد۔۔۔" وہ کچھ لمحے سانس لینے کو رکھی اور پھر دوبارہ بولنا شروع کیا۔ سب دم سادھے اُسے سن رہے تھے۔ ادا صمم مشکل آنکھیں موند گیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا اسے۔۔۔ صرف ایک بار۔۔۔ ایک بار۔ مگر خود کو سمجھا گیا۔

"شداد اپنے بڑے بھائی کے بعد اپنی سلطنت کا تخت نشین بنا۔ اُس نے اتنی ترقی کی۔۔۔ اتنی طاقت کمائی کہ کوئی دوسرا سردار یا بادشاہ اُس کے آگے کتر اتے۔ بس پھر کیا تھا؟۔۔۔ وہ اپنی قوت کو دیکھتا مغرور ہو گیا۔ تکبر میں پڑ گیا۔ اور ایک دن خدائی کا بھی دعویٰ کر دیا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اُسے راہِ راست پر لانے کی بھرپور کوشش کی۔۔۔ دوسرے علماء جو گزرے انبیاء اکرام کی ہدایت اور علوم کے وارث تھے۔۔۔ اسے سمجھانے لگے۔۔۔ جب وہ نا سمجھا تو اسے اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔

مگر طاقت کے غرور اور تکبر میں ڈوبا کو کہنے لگا کہ "میرے پاس سب کچھ ہے۔۔۔ حکومت، دولت، حکمرانی، مرتبہ، جلال، طاقت۔۔۔ پھر کس چیز کے حصول کے لیے میں خدا کے آگے جھکوں؟ اُس کی اطاعت کرو؟"

سمجھانے والوں نے پھر یہ بھی کہا کہ "دولت کا یہ حصول فانی ہے جبکہ اللہ کی اطاعت سے آخرت سمجھل جائے گی اور جنت ملے گی جو ان تمام چیزوں سے زیادہ بہتر اور قیمتی ہے۔

اُن کی بات سن کر شداد سوچ میں پر گیا۔ اور پھر پوچھا کہ "جنت میں ایسا کیا ہے جو اس دنیا میں نہیں؟" اس کے سوال پر تمام سمجھانے والوں نے انبیاء اکرام کی تعلیمات کے مطابق بتائیے گئے جنت کے اوصاف اور خوبیاں گنوائی۔

اُن کی بات سن کر وہ مزید مغرور ہی گیا اور بولا کہ "مجھے جنت کی ضرورت نہیں ایسی جنت تو میں اپنے لیے خود بھی بنا سکتا ہوں۔"

چنانچہ اس نے اپنے افسروں میں سے سو معتبر لوگوں کو چنا پھر ان تمام کو اک ہزار افراد پر مشتمل کیا اور انہیں جنت کے لیے اپنی خواہشات اور نقطہ نظر سمجھایا۔ بہت سے حکمرانوں کو سونے اور چاندیوں کی کانوں میں سے انٹیں بنا کر بھیجنے کا حکم دیا۔

وقت گزر تا گیا اور شداد نے ایک ایسا شہر تعمیر کروالیا جس کی چار دیواری سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنائی گئی تھی۔ شہر کے اندر ایک ہزار محل تعمیر کیے گئے۔ ہر محل میں ایک ہزار ستون بنوائے گئے جن پر جواہرات سے جڑا دکھایا ہوا تھا۔ شہر کے درمیان ایک نہر بنائی گئی جس کا راستہ ہر محل کو جاتا۔ ہر محل میں خوبصورت فوارے بنائے گئے۔ جس کی دیواروں اور فرش کو قیمتی زمر، یاقوت اور نیلم سے سجایا گیا۔ اُس کے ارد گرد بہت سے مصنوعی درخت بنائے گئے جن کی شاخیں سونے اور پتے زمر کے بنے

تھے۔ پورے شہر پر نرم قالین بچھا دیے گئے۔ مختصر کہے تو ہر حصے کو اتنی خوبصورتی دی گئی کہ دیکھنے والا رشک سے دیکھتا جنت سمجھ لیتا۔ شہر ارم بارہ سال کے عرصے میں تعمیر ہوا پھر شداد کے حکم پر یہ شہر آباد ہوا۔

بعض علماء کو بھی ساتھ لیے جب وہ شہر کو پہنچا تو انہیں دیکھتے تمسخر سے ہنسا اور بولا۔

"ایسی جنت کے لیے تم مجھے جھکنے کو اور ذلیل ہونے کو کہہ رہے تھے؟" حال میں یک دم کافی لوگوں کے منہ سے بیک وقت نعوذ باللہ نکلا۔ سنیہا نے اپنی بات جاری رکھی۔

"جب شہر پہنچا تو بہت سے لوگ اس کے استقبال میں کھڑے تھے۔ شداد پر پھول نچھاور کیے گئے۔ وہ کھڑی ناک لیے دروازے کے آگے پہنچ کر گھوڑے کی رکاب سے ایک قدم نیچے رکھا کہ وہاں پہلے سے ایک اجنبی کھڑے شخص کو دیکھتے اُس سے پوچھنے لگا۔ "کون ہو تم؟"

اجنبی نے کہا "ملک و لموت"۔ BEING THE STRING OF YOUR KITE

پوچھا "کیوں آئے ہو؟" وہ بولا "تیری جان نکالنے"

شداد نے کہا کہ مجھے اتنی مہلت دی جائے کہ میں اپنی جنت دیکھ سکوں۔ فرشتہ بولا کہ "مجھے اجازت نہیں۔" "کہا چلو اتنی مہلت دے دو کہ گھوڑے سے اتر سکوں۔ وہ بولا "اس کی بھی اجازت نہیں۔"

چناچہ ابھی اُس کا ایک پاؤں رکاب میں اور دوسرا چوکھٹ پر تھا جب فرشتے نے آگے بڑھ کر شہاد کی جان قبض کر لی۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ پاک کے حکم سے ایسی ہولناک چیخ ماری کہ وہ شہر اپنی تمام تر سجاوٹوں اور خوبصورتی کے ساتھ نست و نابود ہو گیا۔"

مانک میں گو نجی آواز کی۔۔ پورے حال میں سناٹا سا چھا گیا۔ دلوں کی دھڑکنوں کی آوازیں حال میں گونجنے لگی۔

"میری تقریر بس یہی تک تھی۔ آخرت کی بات کرنے سے مراد یہ تھا کہ طاقت اور پیسے کا گھمنڈ، غرور، تکبر، برائی۔۔ دنیا کو نہیں تو آخرت کو ضرور خراب کر دیتی ہے۔ دنیا میں انسان محض دو منٹ کے لیے اگ کے قریب ہو جائے تو مرنے کے مترادف ہو جاتا ہے۔۔ مگر آخرت میں ظلم اور تکبر کے باعث وہ کیسے اُس اگ کو جھیل پائے گا جو صرف دو منٹوں کی نہیں بل کے ہمیشہ کے لیے رہے گی؟

"ہر برائی کا اختتام ضرور ہوتا ہے"، "ہر ظلم کا حساب ہو کر رہے گا اس فانی دنیا میں نہیں تو لا فانی آخرت میں ضرور۔"

بس اپنے خُدا پر یقین رکھنا۔۔ کسی بھی صورت میں مایوس ہونے کی بجائے امید کا دامن ہاتھ میں رکھنا۔۔ اپنا ایمان مضبوط رکھنا۔"

اپنی تقریر کا اختتام کرتی وہ اسٹیج سے اتری۔ حال میں تالیوں کی بھرپور گونج ابھری۔ نظریں سامنے کی طرف شان سے اٹھائے وہ التمش کی جانب بڑھی جو ہونٹوں پر نرم سی مُسکراہٹ لیے بڑے فخر سے اُسے

اپنی طرف آتا دیکھ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ عکس دوبارہ سے بدلنے لگا۔ اب چاندی کی تھال پر اُس کا زرد چہرہ دکھنے لگا۔ پہلا دیدار یاد کرتے تھال کو دوبارہ سے اپنی جانب کھسکا تا وہ پھر سے نوالہ بنا گیا۔ اس بار بغیر کسی تاخیر کے اُسے منہ میں ڈالتا چبانے لگا۔۔۔ ایک دم تہہ خانے کا دروازہ ایک چنگارتی آواز کے ساتھ کھلا۔۔۔ مقابل بہت غرور اور تکبر سے قدم اٹھاتا اُسے دیکھتا تا سب تصورات کے ساتھ شیطانی مسکراہٹ لبوں میں دبا گیا۔

"یہ آپ نے اچھا نہیں کیا ڈیڈ۔۔۔" وہ مقابل کو دیکھتے دکھ سے بڑبڑایا۔۔۔

"Her kötülüğün bir sonu olmalı."

(ہر برائی کا اختتام ضرور ہوتا ہے)
مزید سرگوشی کرتا اب وہ مقابل سے اپنی نظریں ہٹا گیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE



شام کے سائے اپنے پر پھیلانے کو بے تاب تھے۔ پرندوں کی چڑچڑاہٹ تیز تیز ہواؤں کی کھکھلاہٹ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ حدیم رولنگ چیئر پر آنکھیں موندے بیٹھا اپنی کنپٹی کو ہولے سے سہلا رہا تھا۔ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز پر بد مزہ سا ہوتا آنکھیں کھول گیا۔ ملازمہ اس کی اجازت ملنے پر کافی کی ٹرے ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوئی۔ کافی میز پر رکھتی ایک نظر حدیم پر ڈالتی جو پھر سے آنکھیں موند گیا تھا۔ باہر کی

طرف روانہ ہوئی۔ دروازہ بند ہونے کی آواز پر وہ اٹھا۔ میز سے کافی اٹھاتے ہونٹوں سے لگائے گلاس وال سے باہر کا منظر دیکھنے لگا۔ اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے دھند سی چھانے لگی۔ گلاس وال کے باہر کا منظر کسی پُرانی یاد میں تبدیل ہونے لگا۔ گیارہ سالہ حدیم خاموشی سے کمرے کی بیرونی دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔ اندر سے سترہ سالہ التمش اور انصاری صاحب کی باتیں واضح تھیں۔

"کیا جاننا چاہتے ہو۔؟"

انصاری صاحب کی غصے بھری آواز پر باہر کھڑا حدیم یک دم سے گھبرا گیا۔ پھر اُس کی سماعت سے اپنے بڑے بھائی کی سرد آواز ٹکرائی۔

"میری ماں کون تھی؟"

انصاری صاحب لمحے کو خاموش رہے پھر کمرے میں آن کی اطمینان سے بھرپور آواز گونجی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یہ کیسا سوال ہے۔۔ تمہاری ماں مہرماہ ہے۔"

انداز لا پرواہ سا تھا۔ التمش کی سرخ آنکھوں میں نمی بڑھی۔

"مہرماہ آنٹی میری ماں نہیں ہے۔۔ وہ صرف حدیم کی ماں ہے۔"

"کسی نے کچھ کہا ہے تم سے؟۔۔ یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

اب کی باران کے لہجے میں فکر کے ساتھ تفتیشی انداز بھی ابھرا۔

"آپ مجھ سے میری حقیقی ماں کے بارے میں کیسے چُھپا سکتے ہیں؟" وہ بے بسی سے کہتا سر ہاتھوں میں گرا گیا۔

"ہاں ٹھیک کہا تم نے۔۔ مہرماہ تمہاری ماں نہیں ہے۔۔ حدیم تمہارا سگا بھائی نہیں ہے۔"

اُنہوں نے ایک گہرا سانس بھرا۔۔ شاید حقیقت کے آشکار ہونے کا وقت آچکا تھا۔۔ اُنہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایک دن اچانک ان کا بیٹا ان کے سامنے اس بارے میں سوال کرے گا۔۔ التمش کو اس کے بارے میں خبر کیسے ہوئی اس کا پتا تو وہ یقیناً ضرور لگوائے گے۔۔ مگر ابھی سوالوں کے جوابات ضروری تھے۔ اس بات سے قطعی باخبر کے باہر کھڑے وجود کے ذہن میں ان کے الفاظ تیز دھاڑ کی طرح پیوست ہوئے تھے۔ "حدیم تمہارا سگا بھائی نہیں ہے۔۔ وہ یہ کیسے مان سکتا تھا؟۔ آنکھوں سے آنسوؤں تیزی سے بہنے لگے۔ وہ آہستہ قدم اٹھاتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔۔ وہ عمر کا جتنا مرضی لالبا لی سہی مگر ذہنیت میں وہ التمش کی طرح ہی تیز تھا۔۔ کون کہہ سکتا تھا وہ سگے نہیں ہیں؟۔۔ کمرے میں آتے وہ اپنے بیڈ پر اوندھے منہ گرا۔۔ اُس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔۔ حدیم اور التمش دونوں کی آنکھیں ضبط اور غصے میں حد سے زیادہ سرخ ہو جاتی تھیں۔۔ سب کچھ تو ایک ساتھ اُن میں۔۔ پھر وہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ وہ سگے نہیں ہیں؟۔۔ پیچھے کمرے میں سوالوں کے جواب ابھی بھی باقی تھے۔۔ کمرے کی نم فضا بھی اُن کی گفتگو سنتی مزید نم ہو رہی تھی۔ راز ابھی بھی باقی تھے۔

"تمہاری ماں۔۔ تمہاری پیدائش کے وقت وفات پا چکی تھی۔۔ اُس کے مرنے کے بعد مجھے تمہیں پالنا تھا۔۔ تمہیں ایک ماں کی اشد ضرورت تھی۔۔ مگر اُس لمحے میں غم میں اتنا ڈوبا ہوا تھا کہ تمہاری ضرورت کے لئے تمہیں اپنی ایک پُرانی اور قبل اعتماد ملازمہ کے حوالے کر دیا۔۔"

وہ ایک لمحے کو رکے۔۔ نظریں اٹھا کر اپنے بیٹے کو دیکھا جو زمین پر نا جانے کونسے نقطے پر اپنی نظریں جمائے ہوئے تھا۔۔ شکر تھا اُس کی نظریں اُن کے چہرے پر نا تھی۔ اُس کی بھینچی موٹھیوں کو دیکھتے نظریں پھیر گئے۔۔

۔۔ ایک پل۔۔ دوپل۔۔ خاموشی کے لمحے طویل ہونے لگے۔۔ انصاری صاحب نے اپنی بات پھر سے جاری رکھی۔۔

ہماری ملازمہ۔۔ "اماں بی۔۔" وہ بات کرتے کچھ ہکلائے۔۔

"وہ تمہاری رضاعی ماں ہے۔۔ اُس وقت جو مجھے مناسب لگا۔۔ تمہاری صحت کی خاطر مجھے اُنہیں اجازت۔۔۔"

ابھی وہ مزید بتاتے التمش یک دم سے اٹھا اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔۔ اُس میں مزید سننے کی سکت نہیں تھی۔۔ یہ کیسے انکشاف تھے جو آج اُس پر کیے گئے تھے۔۔ وہ باہر آتا بے دردی سے اپنا سینا مسل گیا جہاں کی تکلیف مزید بڑھ گئی تھی۔۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کونسا انکشاف، کونسا غم زیادہ اذیت ناک ہیں۔۔ اُس سے اُس کی ماں کی حقیقت چھپائی گئی۔۔ ماں کی موت کا غم، مہرماہ کے ماں کے طور پر ہوتے

ہوئے بھی وہ اُن کے پیار کو ترستا رہا۔۔۔ جو اُس کا خیال تو رکھتی مگر ایک ماں کی طرح نہیں۔۔۔ وہ تو نوکر بھی اس کی ہر ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ ماں اور ملازموں میں تو ہوتا ہے نہ۔۔۔ ان میں سے کون سا غم زیادہ تکلیف دہ تھا؟۔۔۔ یا پھر۔۔۔۔۔ ایک ماں کے ہوتے ہوئے بھی اُس کی گود کو ترسنا۔۔۔ رضاعی ہی سہی۔ اُس کا حق تو تھا۔۔۔ شاید یہ غم سب سے بڑا تھا۔۔۔

یہ غموں کا کھیل بھی کتنا کمال ہوتا ہے۔۔۔ کون سا غم سب سے آگے ہیں انسان فیصلہ ہی نہیں کر پاتا۔۔۔
التمش سمجھ رہا تھا وہ مکمل طور پر بکھر چکا ہے۔۔۔ غم سے رہائی اب ممکن نہیں۔۔۔ مگر کیا ہوتا جب انکشاف کے لمحے میں وہ زمین پر نظریں جمانے کی بجائے اپنے باپ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو پڑھ لیتا۔۔۔ اُن پر چند لمحے واضح ہوتی جھوٹ کی تحریر کو پڑھ لیتا۔۔۔ اُن کی آنکھوں میں دیکھتے ادھورے سچ کو جاننے کی سعی کر لیتا۔۔۔ "مگر کبھی کبھی پورے سچ ادھورے سچ سے زیادہ تکلیف دہ ہوتے ہیں"۔۔۔ اگر وہ پورا سچ جان لیتا تو یقیناً وہ اس بات کا اعتراف کرنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگاتا۔۔۔ کہ پورے سچ کی اذیت کے آگے وہ ادھورے سچ کی تکلیف رتی کے برابر بھی نہیں تھی جس پر اُسے لگتا تھا وہ پوری طرح بکھر چکا تھا۔۔۔
"لا علمی کبھی کبھی بہت بڑی نعمت ہوتی ہے" اور التمش انصاری سے وہ نعمت جلد چھینی جانے والی تھی۔



رات کی چاندنی آسمان پر اپنی چھاپ ڈال چکی تھی۔۔ موسم مزید خوشگوار ہوتا تیز ہواؤں میں جھومتا آسمان کو خشک کیے ہوئے تھا۔ بالکل کسی کی آنکھوں کی طرح۔ گھڑی رات کے نوبت جا رہی تھی۔۔ معمول کے مطابق سیاہ محل میں خاموشی کا راج تھا۔ اندھیرے کمرے میں اسٹڈی لیمپ کی روشنی ماحول کو پر سرار بنا رہی تھی۔ المیر اپنی اسٹڈی لیمپ کے سامنے گرسی پر بیٹھے ڈائری پر جھکے کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ پنسل کی نوک کاغذ پر رگڑ کھاتی عجیب سی آواز پیدا کیے ہوئے تھی۔۔ جب کوئی سننے والا نہ ہو تو لکھ کر اپنی رواد بے جان چیزوں کو سنانے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ بے شک خدا سننے والا سکون دینے والا بڑا عظیم ہے۔۔ مگر جو خدا سے دور ہو پھر بے جان چیزوں کا ہی سہارا لینا پڑتا ہے۔۔ قصور تو اُس معصوم کا بھی نہیں تھا۔ اگر اُسے خدا کے ساتھ تعلق بتایا جاتا تو وہ ایسا تو نہ ہوتا۔ مگر جلد ہی اُس معصوم کو بھی اُس کا ہمارا ملنے والا تھا۔۔ ہر چیز کا اپنا ایک مقرر وقت ہوتا ہے۔۔ ہمیں شکوہ کرنے کی بجائے صحیح وقت کی امید کے ساتھ اُس کا انتظار کرنا چاہیے۔

پنسل گھسنے کی آواز ہنوز جاری تھی۔۔ ایسے جیسے لکھاری بڑی رغبت سے کچھ لکھ رہا ہو۔۔ پھر وہ رکا۔۔ سیدھا ہوتے مسکرایا۔۔ یقیناً وہ بے جان چیز نے بغیر کسی جھنجھلاہٹ اور ناگوری کے اُسے سنا تھا۔ اُس نے دوبارہ سے جھکتے صفحہ پلٹا۔۔ لیمپ کی روشنی میں صفحے کے سب سے اوپر لکھی ایک بڑی سے تحریر واضح ہوئی۔

"Question of the day "

المیر ہر روز اپنی ڈیئر ڈائری کو دن کی ساری رواد سنانے کے بعد آخر میں اُس سے ایک سوال پوچھا کرتا تھا۔ جیسے وہ بے جان چیز اُسے ضرور جواب دے گی۔۔

اب وہ پنسل دوبارہ سے تھامتافحے کے آخر میں سوال لکھنے لگا کیونکہ شروع سے پورا صفحہ سوالوں سے بھڑا پڑا تھا۔ آنکھیں ٹکائے اُس نے لکھنا شروع کیا۔

"مائی ڈیئر ڈائری۔۔ کیا مجھے انہیں وہ سب بتا دینا چاہیے جو میں نے اس دن دیکھا؟" آنکھوں میں کچھ اُداسی سی بڑھ آئی۔

پیچھے کو ہوتا وہ پورے صفحے کو بغور دیکھنے لگا۔۔ ہر روز ایک نئی رواد مگر سوال ایک ہی تھا جس کا جواب پانے کو وہ بے چین تھا۔

Safar-e-Adab

اُس کی آنکھوں کی طرح پورے صفحے پر بھی ایک ہی سوال رقم تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کیا۔۔ مجھے۔۔ بتا۔۔ دینا۔۔ چاہیے؟"

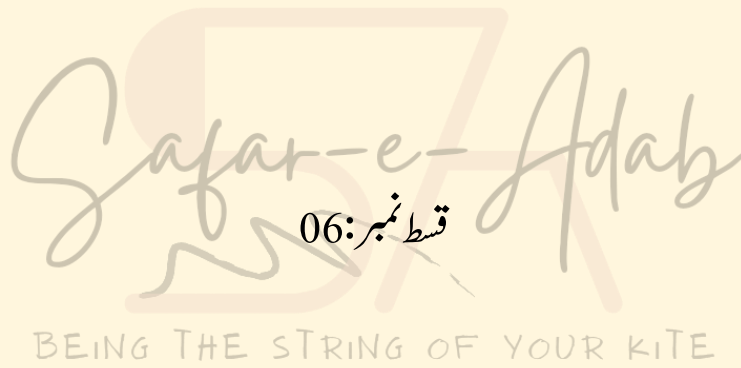
معاوہ ڈائری بند کرتا اپنی جگہ سے اٹھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا اپنی الماری کی جانب بڑھا۔ الماری کو کھولتے اپنے کپڑوں کو ایک طرف کرتا وہاں سے ایک لکڑی کا قدیم طرز سے بنا چھوٹا سا صندوق اٹھا گیا۔ یہ صندوق اُسے ادا صعم نے جانے سے کچھ قبل تحفے میں دیا تھا۔ صندوق کا طرز عام صندوقوں سے ذرا ہٹ کر تھا۔ اُسے کھولنے پر اندر کی طرف لگا ہوا ایک بڑا سا یا قوتی سبز پتھر کی دم سے چمک اٹھا۔

لیمپ کی زرد روشنی کے علاوہ اب المیر کے چہرے پر سبز روشنی بھی چمکنے لگی۔ وہ صندوق اٹھاتا تیزی سے اپنے بستر کی جانب بڑھا۔ بیڈ پر بیٹھتے ڈائری کو نرمی سے صندوق میں رکھتا وہ بیڈ کی پائنتی کی جانب پڑے چھوٹے سے میز کی جانب ہاتھ بڑھا گیا۔ میز کے اندر سے ایک دراز کو کھینچتا اُس کے اندر موجود ایک چھوٹی سی انگوٹھی نکال گیا۔

وہ انگوٹھی بہت منفرد سی تھی۔ جس پر بنا چھوٹا سا سورج اُسے مزید منفرد بناتا۔ اشتیاق سے انگوٹھی کو ہاتھ میں لیتا ڈائری کے ساتھ ہی صندوق میں رکھ گیا۔ ٹیرھی ہوتی انگوٹھی سے اُس کے اندر سنہری حروف میں خوبصورت طرز سے لکھا اک نام پوری اب و تاب سے واضح ہوا۔

"سنہیا" ساتھ میں ایک چھوٹے سے چاند کے نقش سے اُس نام کو مکمل کیا گیا تھا۔ اب المیر احتیاط سے صندوق بند کر گیا۔ کمرے میں سبز روشنی یک دم سے گم ہوئی۔ اُسے واپس اپنی جگہ پر رکھ کر کپڑوں کو ترتیب دیتا الماری کے پٹ بند کر گیا۔ قدم قدم چلتا بیڈ پر لحاف اوڑھے لیٹتا وہ کچھ ہی پلو میں نیند کی آغوش میں جا چکا تھا۔

کھڑکی سے نظر آتا ہلال چاند اپنے اور سورج کے ایک ساتھ نقش ہونے پر گہری سوچ میں جا چکا تھا۔ کیوں تھے وہ ایک ساتھ؟؟



جب کوئی کہے کہ..

خطائیں معاف ہو جاتی ہیں..

تو سراٹھا کر..

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر..

ہلکا سا مسکرایا کرو..

BEING THE STRING OF YOUR KITE

نرمی سے ماتھے پر..

انگلی ٹکا کر..

اپنے رخ کو موڑ کر..

اشارہ کیا کرو..

اوپر آسمان کی طرف..

ہلال چمکتے چاند کی طرف..

پھر واپس رُخ موڑ کر..

بتایا کرو اُن نادانوں کو..

خطائیں معاف کر دی جاتی ہے..

رب کی ذات بڑی عظیم ہے..

مگر..

محبت میں بے وفائی..

زندگی میں موت..

BEING THE STRING OF YOUR KITE

خوشی میں غم..

دوستی میں بے اعتباری..

بدلے میں چنگاری..

انتقام میں آتش..

کھکھلاہٹوں میں آہوں کی..

مظلوم پر ظلم کی..

وجہ اگر تم بنو..

تو خطا نہیں گناہ کہلاتا ہے..

اور پھر اُسے ازبر کرواؤ کہ..

خطاؤں کی معافی آسان ہوتی ہیں..

مگر گناہ معاف نہیں کیے جاتے..

بوجھ اٹھا کر اُن کا..

ساری زندگی بھاری گزاری پڑتی ہے..

تڑپ تڑپ کر رفتہ رفتہ.. BEING THE STRING OF YOUR KITE

گڑ گڑانا پڑتا ہے..

پھر جب کوئی کہے کہ..

خطایں معاف ہو جاتی ہیں..

تو ہلکا سا مسکرایا کرو..



یہ منظر شہر کے سب سے بڑے اور مشہور ریسٹورانٹ کا تھا۔ شیشے کی چار دیواری کو مخملی پردوں سے ڈھانپنے کی بھرپور کوشش کی گئی تھی مگر فضا میں بڑھتی ٹھنڈی ہوئے کے دوش وہ بھرپور لہرانے کی سہی میں تھے۔ سرمئی اور سفید امتیاج کے سنگ مرمر کے قیمتی پتھروں سے بنا جس کو گہرے سرمئی رنگ کی ہی کرسیوں اور شیشے کی میزوں سے سجا کور ریسٹورانٹ اپنی مثال آپ بنایا گیا تھا۔

وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کے مقابل بیٹھی تھی۔ میز پر بڑے سے خوبصورت واز میں لگے تازہ سُرخ گلاب اپنی خوش بو سے فضا میں موجود تناؤ کو کم کرنے کی ناکام سی کوشش میں مصروف تھے۔ نیمل چند لمحے ہی پہلے اُس کے بتائے گئے پتے پر پہنچی تھی۔ داخلی دروازے پر پہنچی ہی تھی کہ وہ اُسے سامنے کی ہی قطار میں قدرے کونے والی میز پر بیٹھی دکھائی دی۔ مقابل بھی اُس کی طرح ہی مکمل سیاہ لباس زیب تن کیے ہوئے تھی۔ پتہ نہیں کیا بات تھی کہ دونوں کو ہی سیاہ کو چننا پڑ گیا۔ شاید زندگی میں موجود سیاہی نے انتخاب کرنے میں مدد کی تھی۔ ہاں!!! شاید۔۔

وہ قدم قدم چلتی میز تک پہنچی۔ چند ثانیے وہ وہی کھڑی رہی مگر منہل نے تو جیسے اُس کے آنے کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ نیمل گہری سانس بھرتی اپنی طرف کی گرسی گھسیٹ کر بیٹھ

گئی۔۔ اب کی بار مقابل کی نظریں اٹھی۔۔ نظریں جو شدت سے زیادہ سُرخ ہو رہی تھی۔۔ بے اختیار وہ نیمل کو دیکھتی ہاتھ میں پکڑی ڈائری کو مزید مضبوطی سے تھام گئی۔ دونوں کی پر سوچ نظریں ایک دوسرے پر ٹکی ہوئی تھی۔۔ ایک یہ سوچ رہی تھی کہ پرچی پر نیمل ہی کیوں؟ کوئی اور بھی تو ہو سکتا تھا۔۔ انہوں نے سنیہا کے ساتھ جو کیا اس کو جاننے کے بعد منہل کا تودل پھٹنے کو تیار تھا لیکن پھر بھی سنیہا نے اُسے امانت کے توڑ پر دینے کو کیوں کہا؟ کیوں خاص تاکید کی کہ وہ نیمل کو سمجھالے۔۔ عجیب سی خواہش کی تھی اس نے۔۔ نیمل کو سمجھال لینا۔۔ بھلا وہ کیسے سمجھال سکتی تھی؟؟۔۔ بل کہ وہ کیوں سمجھالے؟؟ بہت سے سوال تھے جو اُسے سوچوں میں الجھائے ہوئے تھے۔ دوسری طرف نیمل یہ سوچ رہی تھی کہ منہل نے اُسے کیوں بلایا۔

وہ منہل کو جانتی تھی۔۔ دو تین دفعہ اُن کی مختلف مواقع پر سرسری سی ملاقات ہو چکی تھی۔۔ ہوتی بھی کیسے نا۔۔ ایک پاکستان کی سب سے بہترین وکیل جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کبھی ہارتی نہیں ہے۔۔ پورے سرکل میں وہ لیڈی لائر lady lawyer کے نام سے جانی جاتی تھی اور دوسری۔۔ پاکستان کی سب سے بڑی کمپنیوں میں سے ایک کی مالک جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اگر کوئی ڈیل اُسے پسند آجائے تو وہ ہمیشہ پا کر رہتی ہے۔

ویٹر کی آواز نے دونوں کو اپنی اپنی سوچوں سے باہر لا پٹکا۔

Anything else mam?

شائستگی سے پوچھتا وہ میز پر جو س کے گلاس رکھنے لگا۔ نیمل سر کو نفی میں ہلا گئی۔ سر کو خم کرتا وہ دوسری میزوں کی جانب بڑھ گیا۔ منہل خاموشی سے دیکھتی حال پوچھنے لگی۔۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ بات کا آغاز کیسے کرے۔۔

"میں اُس راز کو جاننا چاہوں گی جو تم مجھے بتانا چاہتی تھی" سیدھے مدعے کی بات کرتی وہ گلاس کو ہاتھ میں تھامتی منہ سے لگا گئی۔

"سنیہا کو کیسے جانتی ہو تم؟" منہل نے گلا کھنکار کر سوال کیا۔۔ اُس کے گلے میں جیسے آنسوؤں کا پھندا سا اٹکا ہوا تھا۔

"سنیہا"۔۔ نیمل نے زیر لب نام دہرایا۔۔ ذہن کے پردوں میں جب کچھ نہ اُبھرا تو لاعلمی سے کندھے اُچکا گئی۔ "میں نہیں جانتی۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تم نہ جانتی ہو؟" اُسے جیسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

"اور ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟" اچھنبے سے سوال کیا گیا تھا۔ اُس نے دوبارہ سے بولنے کے لیے لب واہ کیے ہی تھے کہ منہل کی بات پر سارے الفاظ جیسے دم توڑ گئے۔

"ادا صمم جعفری کی بہن ہوتے ہوئے بھی اُس کی محبت کو نہیں جانتی۔۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" اُس کے لہجے میں عجیب سا تمسخر در آیا۔ نیمل کی سماعتیں بے یقین سی ہوئی۔ اُس سے لگا جیسے اُس نے کچھ غلط سن لیا ہو۔

"ادا صعم کی محبت۔۔ اُس کے بھائی کی محبت" ذہن میں یک دم سے جھمکا سا ہوا۔

وہ اس وقت امریکہ میں اپنے فلیٹ میں بیٹھی تھی۔۔ آج پورے دو سال ہو چکے تھے اُسے امریکہ آئے۔۔ اور ان دو سالوں میں آج پہلی بار اُس کی اپنے باپ سے بات ہو رہی تھی۔ باپ بھی وہ جو اپنی بیٹی کو اُس کے اٹھارہ سال کے ہوتے ہی زبردستی بیرون ملک ملازموں کے رحم و کرم پر بھیج چکا تھا۔ وہ اور ادا صعم شروع سے ہی بہت نزدیک تھے۔۔ وجہ شاید ان دونوں کا اکیلا پن تھا۔۔ وہ تو ہمیشہ سے اکیلا ہی تھا۔۔ اور نیمل۔۔ وہ ماں باپ دونوں کے ہوتے ہوئے بھی اکیلی۔ جن کو اپنی سیاست اور پارٹیز سے کبھی فرصت ہی نہیں ملی تو اپنی اولادوں کا خاک خیال کرتے۔۔ المیر کی عمر اس وقت اٹھ برس تھی۔ وہ بھی ان دونوں کے بہت قریب تھا مگر نیمل کے باہر جانے کے بعد ان کا رابطہ آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد ادا صعم کے ساتھ ہوتے سلوک کی وجہ سے وہ اس کے قریب بھی نا جاسکا۔ نیمل کو بھیجنے کی سب سے بڑی وجہ ہی اُس کا ادا صعم کے لیے کھڑے ہونا تھا۔ وہ ہمیشہ سب کے خلاف صرف اس کے لیے احتجاج کرتی۔۔ وہ غصے اور جنون میں جعفری صاحب سے بھی آگے تھی کبھی کبھی تو وہ بھی اُس کے سامنے بولنے سے کتراتے۔۔ نیمل جب اپنے بڑے بھائی کو خود کے لئے بولنے کو کہتی وہ ہمیشہ ایک ہی بات کہہ کر اس کی زبان تالو سے چپکا دیتا۔

"وہ مجھ جیسے بدنامی کے دھبے کو سہارا دیے ہوئے ہیں یہی بہت ہے۔" اور نیمل پھر اس کا لحاظ کیے بغیر ڈانٹ دیتی کہ اس سب میں اُس کا کیا قصور؟۔۔ بڑے خاندانوں میں افیسر اور تعلقات بہت عام سی بات تصور کی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ وقت سے پہلے اپنے ماحول کو دیکھتے بڑے ہو جاتے تھے۔۔ اُس کی

ڈانٹ کو ہمیشہ کی طرح معصومیت سے سنتا وہ آخر میں بس اتنا بولتا کہ۔۔ "تم ہمیشہ مجھے ایسے ڈانٹتی ہو جیسے تم میری بڑی بہن ہو اور میں تم سے چھوٹا۔۔ یار بڑا بھائی ہو تمہارا عزت کیا کرو" اُس کے منہ بسور کر کہنے پر وہ دونوں بے ساختہ ہنس دیا کرتے اور ہمیشہ کی طرح ان کی بحث کا کوئی انجام نہ ہوتا۔ بیرون ملک جانے کے بعد اُس کا ادا صمم سے رابطہ بہت کم ہوا کرتا مگر دونوں کی محبت میں کوئی فرق نہ آتا۔ اُنھیں آج بات کیے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔۔ پہلے کبھی اتنی دیر بعد بات نہیں ہوئی تھی زیادہ سے زیادہ دو دن بعد مختصر ہی سہی مگر وہ بات کر لیا کرتے تھے۔ اُسے پتہ نہیں کیوں گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کچھ برا ہو رہا ہو۔ وہ کسی مصیبت میں ہو۔ اُس دوران اسے پہلی مرتبہ جعفری صاحب کی کال موصول ہوئی تھی۔ وہ کچھ برہم سنائی دے رہے تھے۔ نیمل ان کی بات سنتے بے یقین سی ہوئی۔

"تمہارا بھائی پاگل ہو چکا ہے نیمل۔۔ پتہ نہیں کیا کرتا پھر رہا ہے آج کل۔۔ اُسے سمجھاؤ"

"میں آپ کی بات نہیں سمجھ پارہی۔۔ آپ کس بارے میں بات کر رہے ہیں؟"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"تمہارا بھائی دو ٹکے کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔۔ دیکھو اُسے سمجھاؤ یہ تیج ذات کی لڑکیاں ایسے ہی امیر لڑکوں کو اپنے جال میں پھنساتی ہے۔۔ اور پھر اُنھیں رُسوا کر کے بھاگ جاتی ہیں۔ تم چاہتی ہو کہ تمہارا بھائی برباد ہو جائے۔" اس کی بار اُنہوں نے اس کی دکھتی رگ پر وار کیا۔۔ وہ جانتے تھے کہ نیمل اپنے بھائی کو لے کر کتنی حساس ہے۔۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اپنا کام نکلوانے کے لیے نیمل سب سے بہتر مہر ثابت ہوگی۔ ان کی بات کو بے بسی سے سنتی وہ فون رکھ گئی۔ وقت گزر گیا اور پھر پورے دو ہفتوں بعد

اُس کی ادا صعم سے بات ہوئی۔۔ ابھی وہ بات کا ذکر کرتی جب اُسے مقابل کی زخموں سے چور آواز سننے کو ملی۔

"وہ کسی اور کی ہو چکی ہے نیہی۔۔ وہ میری rühum نہیں رہی۔ ایسا کیوں ہوا؟ کیوں میں جس سے محبت کرتا ہوں وہ مجھ سے دور ہی جاتا ہے؟ میں نے تو اُس کے جسم کی بھی کبھی چاہ نہیں کی۔۔ میری محبت تو پاک تھی۔۔ میری محبت میں تو صرف عقیدت تھی اور یہ بات تو وہ خود مجھ سے کہا کرتی تھی۔۔ پھر میری محبت میں صدق کیسے نہیں ہو سکتا؟۔۔ میں نے تو ان دو سالوں میں اُسے اپنے رب سے ہر مقام ہر موقع پر مانگا تھا۔۔ ادا صعم جعفری کی محبت تھی وہ۔" پھر اچانک سے فون کٹ گیا۔۔ یا شاید کاٹ دیا گیا۔ اُس کے بعد انکی دوبارہ جب بھی بات ہوتی اس میں پُرانی گفتگو کا کوئی شعبہ نا ہوتا۔ نیمل جب بھی اُس بات کا ذکر کرنے لگتی وہ بات کو بدل دیتا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ بھی اس بات کو بھول گئی۔ سب معمول پر آ گیا۔ پانچ سال تک سب بہتر تھا پھر اچانک ایک دن ادا صعم کی موت کی خبر۔۔ کاش وہ پوچھ لیتی۔۔ ان تین ہفتوں سے وہ کہا تھا؟ اُس کے ساتھ کیا ہوا؟ اچانک سے محبت اور جدائی۔۔ نیمل کی سمجھ سے سب باہر ہوتا جا رہا تھا۔ "ایسا کیا ہوا تھا ان تین ہفتوں میں؟" ہاے کاش وہ اس وقت ان کے پاس موجود ہوتی تو شاید ان تین ہفتوں میں برپا ہوئی قیامت کو روک لیتی جس سے وہ ابھی تک بے خبر تھی۔۔ کاش!!! مگر کون جانے کہ اُس قیامت سے وہاں موجود ادا صعم بھی بے خبر ہو؟۔۔ شاید اُس کے ساتھ برپا ہوئی قیامت میں وہ اس بات سے بھی لاعلم رہ گیا تھا کہ کوئی اور وجود بھی تھا جس پر قیامت قہر سے بھی بدتر شکل میں اتری تھی۔۔ جو سب برباد کر گیا تھا۔۔

پر خیر۔۔ اس سب سے ابھی ابھی لا علم رہنے والی نیمل کے کانوں میں ابھی ابھی صرف وہی جملہ گردش کر رہا تھا۔۔

"سنیہا۔۔ ادا صمم بھائی کی محبت۔۔"

پھر اُس کے ہونٹوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔

"Rühum"

منہل کے مخاطب کرنے پر وہ ہوش کی دُنیا میں واپس لوٹی۔ وہ اُس کی طرف کچھ بڑھا رہی تھی۔۔ ایک خاکی کاغذ میں لپیٹی شے۔۔ "ایک ڈائری"۔۔ وہ کچھ اور بھی کہہ رہی تھی۔۔ مگر اُس کا دماغ تو جیسے کچھ سمجھنے سے انکاری ہو گیا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"مجھے نہیں پتہ کیوں اپنے ساتھ اتنا برا ہونے کے باوجود بھی وہ تمہاری ہمدرد کیوں بنی ہوئی ہے؟۔۔ کیوں تمہاری مددگار بنی ہے؟۔۔ کیوں اُس خاندان کی فرد پر اتنی عنایت کر رہی ہے جس نے اُس کا سب کچھ برباد کے ڈالا؟" دبے دبے سے غصے میں بولتی اپنے الفاظ سے اُسے چونکا گئی۔۔ کیا برا کیا تھا اُس کے خاندان نے۔۔ کیا ہو چکا تھا اُس کے پیٹھ پیچھے؟ وہ سب کچھ سمجھنے سمجھنے سے قاصر تھی۔

"پر خیر!! اُس نے مجھے ایک امانت دی تھی۔" آنکھوں سے میز کے وسط میں رکھی ڈائری کی طرف اشارہ کیا گیا۔ نیمل کانپتے ہاتھوں سے ڈائری کو تھام گئی۔۔ یہ کیسی امانت تھی۔۔؟

وہ پہچان چکی تھی۔۔ وہ اُس کے بھائی کی ڈائری تھی۔۔ کیسے بھلا سکتی تھی وہ اُس سے وابستہ کسی بھی چیز کو۔۔ نیمل جعفری مرنا جاتی!

مگر اب وہ حیران نہیں ہوئی تھی۔۔ اب اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس کو کچھ بھی حیران نہیں کر سکتا۔ وہ اُس کے پاس کیا کر رہی تھی؟۔۔ سنیہا کے پاس کیسے؟۔۔ ڈائری کو مضبوطی سے تھامتی وہ کھولنے لگی۔۔ اُس کے ہاتھ یک دم سے مزید کپکپاہٹ کا شکار ہو گئے۔ اُسے اس وقت وہ ہلکی سے ڈائری بہت وزنی لگنے لگی۔۔ شاید "یادوں کا بوجھ واقعی بہت وزنی ہوتا ہے۔۔ انسان چاہ کر بھی ناہٹانے کے قابل رہتا ہے اور نہ اٹھانے کے۔" آخر کار ہار مانتے وہ رُک گئی۔ ڈائری کو کھولنے کی کوشش اور جدوجہد ترک کر دی گئی تھی۔ وہ مان چکی تھی کہ اُس میں ابھی کھولنے کی ہمت نہیں ہے۔ ورنہ وہ لڑکی جو دوسروں کو تگنی کا ناچ نچاتی تھی۔۔ وہ یقیناً روپڑتی۔ اور زار و قطار روپڑتی۔۔ مگر ابھی اُسے مضبوط بنانا تھا۔ سچ تلاش کرنا تھا ابھی نیمل کو۔۔

منہل اُس پر نظریں جمائے باریکی سے اُس کا جائزہ لینے میں مصروف تھی جب فون کی چنگارتی آواز نے دونوں کا ارتکاز توڑا۔ وہ دونوں فون کی جانب متوجہ ہوئی۔

منہل سنجیدگی سے فون کان سے لگا گئی۔۔ اگلے ہی لمحے اُس کے تاثرات فکر اور خوف میں بدلے۔۔ بناک پل کا ضیاء کیے وہ اپنا بیگ اٹھاتی اندھا دھند باہر کو بھاگی۔ نیمل اُسے خاموشی سے جاتا دیکھنے لگی۔ اُس میں اتنی بھی ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ اُس کے پیچھے جاسکتی۔

واپس سے اپنی نظریں اپنے ہاتھ میں موجود ڈائری پر ٹکا گئی۔ لمحے گزرنے لگے۔۔

ایک۔۔ دو۔۔ تین۔۔ چار۔۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کئی لمحے گزر گئے۔۔ ہوائوں کے زور سے ہلتے مچھلی پر دے مزید ہلنے لگے۔۔ پھر وہ اُسی خاموشی سے اٹھی اپنے ہینڈ بیگ اور ڈائری کو مضبوطی سے تھامتی کہ اُس کی پتلی مچھلی انگلیاں سُرخ پڑنے لگی۔۔ ہیل کی ٹک ٹک پیدا کرتی وہ باہر کی جانب اپنی گاڑی کی جانب بڑھی۔۔ گاڑی کا دروازہ کھولتے وہ رکی۔۔ آسمان پر کالے بادل اپنا سایہ کے چکے تھے۔۔ تیز تیز ہوائیں اپنی جگہ تھام چکی تھی۔۔ یقیناً کچھ ہی دیر میں برسات اپنی پوری آب و تاب سے شروع ہونے والی تھی۔ پھر تیزی سے گاڑی کے اندر بیٹھتی وہ زن سے سیاہ محل کی طرف موڑ گئی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE



"کیا ہوا تھا اماں بی کو؟ وہ ٹھیک تو ہے؟ کیا زیادہ طبیعت خراب ہو گئی تھی اُن کی؟ دھڑام کی آواز سے دروازے کو کھولتی وہ اندر داخل ہوئی۔ اندر بیٹھی صابر اُس کے درپے در آتے سوالوں پر گڑبڑا گئی۔ اماں بی کا معائنہ کرتی ڈاکٹر بھی یک دم سے ڈر گئی۔

"اُن کی طبیعت کیسے بگڑی۔۔ کوئی بتائیے گا مجھے؟" گہرے گہرے سانس لیتی وہ غصے سے صابر کی طرف دیکھنے لگی۔

"اس بچاری کو کچھ بولنے دو گی تو وہ بولے گی نا"۔ اماں بی اپنی مسکراہٹ دباتی گویا ہوئی۔ وہ پہلے سے بہت کمزور ہو گئی تھی۔۔ رنگت مزید زرد ہوتی ان کہ چہرہ مر جھا گئی تھی۔

"ارے اماں بی۔۔" اس کی آواز سنتے ہی دونوں ہاتھوں کو کھولے وہ ان کے گرد اپنا حصار باندھ گئی۔

"جی۔۔ میرا بچہ" وہ ہاتھ کی پشت سے اُس کا گال نرمی سے سہلانے لگی۔

"آپ اپنا خیال کیوں نہیں رکھتی؟۔۔ میں کتنا ڈر گئی تھی جب مجھے صابر کی کال آئی۔" اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتی منہل ان کے بولنے سے پہلے ہی صابر اپر چڑھ دوڑی۔

"اور تمہیں میں میں کس لیے رکھا ہے؟۔۔ اماں بی کا خیال نہیں رکھ سکتی؟۔۔ تمہارے ہوتے ہوئے ان کی طبیعت کیسے بگڑی؟ ایک کام ڈھنگ سے نہیں ہوتا تم سے۔۔" وہ مسلسل کسی کو بولنے کا موقع دیے بغیر

اُسے ڈانٹتی جا رہی تھی۔ جب کہ صابر ابچاری "بابی۔۔ جی۔۔ نہیں" منناتی رہ گئی۔ ڈاکٹر پر نظر پڑتے وہ مزید بھڑکی جو حیرت سے منہ کھولے اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اماں بھی مسکراہٹ دبا گئی۔۔ وہ جانتی تھی منہل اپنے رشتوں کو لیے کراتنی جنونی ہے کہ کسی کو بولنے کا موقع تک نہیں دیتی۔ صابر ابچارہ سامنے لے کر اب اماں بی کو دیکھنے لگی۔

"اُن کو کیا دیکھ رہی ہو ادھر میری طرف دیکھو۔۔" اُس کے آگے چٹکی بجاتی مزید غصے سے بولنے لگی۔ ایک تو نیمل کی لاعلمی پر وہ تپی پڑی تھی۔۔ پھر اماں بی کی طبیعت کا سن کر صابر اپر غصہ مزید بڑھ گیا۔۔ اور اوپر سے تضاد اُس لیڈی ڈاکٹر کی موجودگی سے گویا اس کے دل میں لاوا سا پھٹ پڑا۔ کیا وہ کبھی بھول سکتی تھی کہ پچھلی بار ہسپتال میں کیسے وہ ندیدو کی طرح اُس کے شوہر پر نظریں جمائے ہوئے تھی؟ ہاں ٹھیک ہے! وہ اپنے شوہر کو ہٹلر سمجھتی ہے مگر ہے تو اس کا شوہر ہی نا۔۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ وہ ہمیشہ اُس کو جلانے کے لئے اپنے نام کے ساتھ اُس کا نام جان بوجھ کر ہٹاتی ہے کیوں کہ اُسے اچھا لگتا ہے جب وہ زبردستی ہی سہی مگر اُس کے نام کو اپنے نام کے ساتھ جوڑتا ہے۔۔ نفرت میں ہی سہی مگر نام ہٹانے نہیں دیتا۔۔ اُس کا تپا تپا سا چہرہ تو منہل کا پسندیدہ نظارہ ہے۔ ہاں! مگر اب اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ وہ اس کے شوہر پر ندیدو کی طرح نظر رکھے۔ وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔

اماں بی اُس کی پھولی سانسوں کو دیکھتی صابر اکو پانی کا گلاس پکڑانے کا اشارہ کر گئی۔ وہ مرے مرے قدموں سے بڑبڑاتی پانی کا گلاس پکڑ گئی۔ ایک لمحے کا توقف لیتی منہل گٹا گٹ سارا پانی پی گئی۔ اس سے پہلے وہ دوبارہ سے مزید بچاری کو ڈانٹ لگاتی التمش کو دروازہ دھکیل کر اندر آتا دیکھ اپنے فراٹے بھرتی زبان کو فوراً بریک لگا گئی۔ وہی دوسری طرف التمش اُس کو ایک نظر اماں بی کے ساتھ چپک کر بیٹھا دیکھ تاسف سے نفی میں سر ہلا گیا۔۔

منہل اُسے نظر انداز کرتی رُخ دوسری طرف موڑ گئی مگر وہاں اُس ڈاکٹر کو اپنے شوہر کی طرف دیکھتا پا کر خونخار نظروں سے دیکھنے لگی۔ منہ کے زاویے بگاڑتی اماں بی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"اب کسی طبیعت ہے اماں بی کی؟" التمش کے ڈائریکٹ ڈاکٹر سے سوال کرنے پر اپنی مٹھیاں بھیج گئی۔

"اب بہت بہتر ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔" کلس کر جواب دیتی ڈاکٹر کو گھورنے لگی جو کیسے اس کے شوہر کے مخاطب کرنے پر کھل اٹھی تھی۔

التمش ایک آنکھ کی آبرو اٹھاتا اُس کو دیکھنے لگا جو ناجانے کیوں منہ کے عجیب عجیب سے زاویے بنا کر گھورنے میں مصروف تھی۔ ایسے کرتے اس کی آنکھ میں موجود تل پوری آب و تاب سے چمکا جب ڈاکٹر محو ہو کر دیکھتی سر د آہ بھر گئی۔

"سر مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے ان کی کنڈیشن کے بارے میں" اپنا بیگ اٹھاتی وہ ڈاکٹر چورنگا ہوں سے منہل کو دیکھنے لگی جو پتہ نہیں کیوں ایسے دیکھ رہی تھی جیسے ابھی کچا چبا جائے گی۔

"تو کرے بات آپ کو کس نے روکا ہے۔۔ ہم سن رہے ہیں۔" التمش کے بولنے سے پہلے ہی وہ فوراً بول اٹھی۔ اُس کی جلد بازی پر وہ مزید نا سمجھی سے اُسے دیکھنے لگا۔

"جی۔۔ مگر۔۔ وہ۔۔ مجھے اکیلے میں سر سے بات کرنی ہے۔۔ پیشنٹ کے متعلق۔۔ ان کے سامنے مناسب نہیں۔" گڑبڑا کر کہتی وہ التمش پر نظریں ڈکا گئی۔ اچانک منہل بیڈ سے اٹھتی التمش کے پاس کھڑی ہو گئی۔ اُس کے بازو میں بہت استحقاق سے ہاتھ رکھتی اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو گھورنے لگی جو سلگتی آنکھوں سے اُس کے بازو کو دیکھنے لگی۔ انداز سر اسرجتانے والا تھا۔

"وہ اصل میں کیا ہے نا۔۔ میرے شوہر ہے نا وہ نامحرم عورتوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتے۔۔ ان سے ذرا دور دور رہنا پسند کرتے ہیں۔ تو اگر آپ کو اکیلے میں ان سے بات کرنی ہے تو ایسا تو ہر گز نہیں ہو سکتا۔۔ آپ مجھے بتادے جو بتانا ہے۔" آنکھیں تپٹپاتے وہ التمش کے مزید قریب ہوئی جو حیرانگی سے اُس کی حرکت ملاحظہ کر رہا تھا۔ ہاے!!! کیا معصوم انداز ہوتا تھا منہل میڈم کا۔۔ مقابل کو عیش کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

اگلے ہی لمحے وہ موقع دیے بغیر ڈاکٹر کی کوکھنی سے تھامتی باہر صحن کی جانب بڑھ گئی۔ ان کے جاتے ہی صابر اکا بلند قہقہہ گونجا جسے کب سے کو بچاری ضبط کیے بیٹھی تھی مگر التمش کی زبردست گھوری نے اس کی ہنسی کو بریک لگی۔ التمش اُسے گھورتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔ مگر پھر کچھ غیر معمولی سا ہوا۔ جو اتنے سالوں میں بہت کم ہی ہوا تھا۔۔

ہاں! "التمش انصاری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

واللہ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ۔۔ کیا بلا کا خوبصورت معجزہ ہوا تھا۔



"سر آپ سے ملنے کوئی لڑکی آئی ہے۔" ریسپشن گرل نے دوسری طرف سے فون اٹھانے پر جلدی سے اطلاع دی۔ جیسے اُس کے بوس کو ذرا سی دیری بھی بالکل پسند نا ہو۔

دوسری جانب سے کچھ کہا جا رہا تھا۔۔ کچھ ہدایت دی جا رہی تھی۔۔ اور وہ سر ہلاتی جلدی سے ہاتھ میں پکڑی نوٹ پر کچھ درج کرنے لگی۔

سر ممی چادر میں چھپی وہ سر ممی تیر چھپی آنکھیں۔۔ خود میں ناگواری لیے اپنے اعتراف کا جائزہ لینے میں مشغول تھی۔ اتنی بڑی عمارت۔ اتنا اعلیٰ اسٹرکچر۔۔ قیمتی پتھر سے بنائی گئی چار دیواری۔۔ ہر بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیزیں اپنی قیمت آپ بتا رہی تھی۔۔ ڈائریکٹر سے مینجر اور عام ایمپلوئے سے لے کر صفائی کرنے والے ورکر تک نفیس سالباس پہنے ہوئے تھے۔ بلاشبہ انصاری کنسٹرکشن کی یہ بلند وبالا عمارات بہت ستائش کے قابل تھی۔ دنیا کی سب سے بڑی کمپنیوں میں شمار ایسا ہی تو نہیں ہوتا تھا۔۔ مگر نا جانے کیوں سر ممی آنکھوں میں ستائش کے بجائے ناگواری سی تھی۔

ریسیپشنسٹ کے بلانے پر گردن سیدھی کیے وہ اُسے دیکھنے لگی جو آب ہاتھ کے اشارے سے اُسے اندر جانے کا راستہ بتانے لگی۔۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یہاں سے سیدھا جا کر لفٹ سے 9th فلور پر جا کر دائیں طرف سر کا آفس ہے۔۔ وہ اندر ہی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" پروفیشنل مسکراہٹ لیے وہ بتاتی دوبارہ سے اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔ یقیناً اُسے اس کے لباس سے مزید ہدایات ملی تھی۔

سر کو ہلکا سا خم کرتے وہ لڑکی اُس کے بتائے گئے راستے کی طرف بڑھتی گئی۔۔ اپنے مطلوبہ فلور پر پہنچ کر دائیں طرف بڑھی۔۔ آفس کے سامنے ہی ایک لڑکی موزب انداز میں ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔۔ حلے

سے وہ سیکرٹری معلوم ہو رہی تھی۔۔۔ اُسے سامنے سے آتا دیکھ پہلے کچھ حیران ہوئی پھر وہ تاثرات ناگواری میں بدلے۔۔۔ یقیناً وہ اپنے بوس کے آفس میں کوئی اسٹائلش سے شاندار سی لڑکی کے آنے کا سوچ رہی تھی ناکہ چادر میں لپٹی کسی لڑکی کے۔

زبردستی چہرے پر مسکراہٹ سجائے اپنے پیچھے آنے کا کہتی وہ آفس کا دروازہ دھکیل گئی۔ وہ اُس کے پیچھے ہی بڑھتی اندر داخل ہوئی۔ اُسے وہاں چھوڑ کر سیکرٹری باہر چلی گئی۔

سر مئی آنکھوں نے اپنے سامنے نظریں دوڑائی۔ وہ سامنے ہی کھڑا تھا۔ بلیو تھری پیس میں ملبوس ہمیشہ کی طرح آستین کہنیوں تک فولڈ کیے جس میں اُس کی نیلی رگیں نمایاں ہو رہی تھی۔۔۔ کوٹ کو رولنگ چیئر پر لٹکائے۔۔۔ اس کی طرف سے رخ موڑے گلاس وال سے باہر کا منظر دیکھنے میں محو تھا۔ اُس کے آواز دینے پر وہ مڑا۔

گہری نیلی آنکھیں۔۔۔ تیر چھی سر مئی آنکھوں سے ٹکرائیں۔۔۔

دونوں میں عجیب سی چمک ابھری۔

"حفظہ یمان" سر کو خم دیتا ہلکا سا مسکرایا۔۔۔

"حدیم انصاری" جواب میں وہ بھی سر کو خم دیتے مسکرائی۔



منہل ٹھیک ٹھاک اُس ندیدی ڈاکٹر کو زچ کرتی ہاتھ جھار رہی تھی جیسے بہت ہی کوئی عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہو۔ قدم اٹھاتی اب وہ اماں بی سے ملنے کی غرض ان کے کمرے کی جانب بڑھی۔۔ اندر التمش کو بیٹھا دیکھ کر اُس کا چہرہ یک دم سے سُرخ ہوا۔ ہاں بھی کیا ضرورت تھی ہیر و ن بننے کی۔۔ میرا شوہر۔۔ اُسے اپنے الفاظ یاد آئے۔۔ اللہ! کیسے بے اختیار ہو گئی وہ۔۔ منہل کا بس چلتا تو کسی دیوار میں جا کر اپنا سر پھاڑ لیتی۔ پر کیا کرے جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔

اپنی خفت مٹانے کے لیے زبردستی مسکراتی اپنا بیگ اٹھانے لگی۔ پھر اماں بی سے ملتی باہر کی جانب بڑھنے لگی۔۔ وہ جلد از جلد وہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔ التمش جو کب سے اُس کی حرکات کا جائزہ لے رہا تھا اُسے باہر کی جانب بڑھتا دیکھ فوراً سے اپنی جگہ سے اٹھا۔ اماں بی سے ملتا تیزی سے اُس کے پیچھے لپکا۔۔ پیچھے اماں بی خوشگوار سے مسکرائی۔۔ ان کی دعائیں جیسے رنگ لا گئی تھی۔۔ مگر وہ کیا جانے۔۔ رنگوں کو ملتے دیر ہی کتنی لگتی ہے۔۔ ان کی خوشیوں کے رنگوں میں کہیں سیاہ رنگ نامل جائے۔

منہل جو تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی پیچھے سے آنے والی اپنے نام کی پکار پر دھڑکتے دل کے ساتھ رُک گئی۔

کیا کبھی وہ اُسے بتاپائے گی کہ اُس کے منہ سے اپنا نام سننا منہل التمش انصاری کی دھڑکنوں کا کیا حال کر دیتا ہے۔؟ شاید ہاں یا شاید۔۔۔ ناں۔

"گاڑی میں بیٹھو۔۔ بارش ہونے والی ہے۔۔ میں خود چھوڑو گا تمہیں۔" اُسے حکم دیتا اپنی گاڑی کی طرف بڑھا جو اُس کی گاڑی کے نزدیک ہی کھڑی تھی۔

اس کے حکم دینے کے انداز پر منہل فوراً سے اپنے خیالوں سے نکلی۔۔ وہ اُس شخص کو بتائے گی۔۔ کیا واقعی؟؟؟۔ اور ہمیشہ کی طرح منہل کے منہ سے اُس کے لیے ایک ہی لفظ نکلا۔
 "ہٹلر۔۔ ہونہ۔" دانت پیستے وہ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی۔ ایک نظر التمش پر ڈالتی ٹھپ سے دروازہ بند کر گئی۔ وہ سنجیدگی سے ایک نظر ڈالتا گاڑی اُس کے فلیٹ کی طرف روانہ کر گیا۔

باہر ہلکی ہلکی بارش شروع ہو چکی تھی۔ آسمان مزید نکھرنا شروع ہو چکا تھا۔ دس منٹ کی مسلسل مسافت کے بعد گاڑی رکی۔۔ منہل جلدی سے اپنے بیگ کو سر پر رکھتی بلڈنگ کی جانب بڑھی۔ التمش نفی میں سر ہلاتا گاڑی کی فرنٹ سیٹ کے پاس پڑے چھاتے کو کھولتا باہر نکلا۔۔ تیز تیز قدم اٹھاتا اُس کے پاس پہنچا جو تقریباً مکمل بھگینے کو تیار تھی۔ انسان تھوڑا صبر ہی کر لے۔۔ مگر منہل میڈم۔۔ معجزہ ہی نا ہو جائے۔

"کو" اونچے لہجے میں آواز لگاتا وہ ایک ہی جست میں اُس تک پہنچا۔ منہل پیچھے مڑتی سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ بارش اپنا زور پکڑنے کو بے تاب تھی۔ زمین پر گرتی عجب سا منظر پیش کر رہی تھی۔ مٹی کی بھینی بھینی خوش بو ہر سو پھیلی بہت بھلی بھلی سے معلوم ہو رہی تھی۔

التمش اُس تک پہنچا۔ نرمی سے اُس پر چھاتا کر گیا۔ آنکھوں سے اُسے پکڑنے کا اشارہ کیا۔ یہ کرتے وہ خود مکمل طور پر بھیگ چکا تھا۔ مگر وہاں پرواہ کسے تھی؟ منہل اُسے دیکھتی سٹل سی ہو گئی۔ میکانیکی انداز میں چھاتے کو پکڑنے لگی۔ ایسا کرتے اس کے نرم ہاتھ سرد ہاتھوں سے ٹکرائے۔ وہ کرنٹ کھا کر ہوش میں آئی۔ اُسے چھاتے کو پکڑتے دیکھ اپنے دونوں ہاتھوں کو سر پر رکھتے وہ جانے کو پلٹا۔ دو قدم آگے چلا ہی تھا جب پیچھے سے آنے والی تیز آواز نے اُس کے قدم روکے۔

"کیا کسی نے آپ کو یہ بتایا نہیں کہ آپ کتنے ظالم ہے؟" بارش کی تیز آواز ماحول میں گھلنے لگی۔ تیز آواز کے باعث وہ بہت اونچے لہجے میں سوال کر رہی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"نہیں۔۔۔ وہ کیا ہے نا۔۔۔ تمہارا شوہر نامحرموں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔۔۔ ان کے علاوہ کسی میں ہمت نہیں وہ تمہارے شوہر کو کچھ کہہ سکے۔"

رخ کو بغیر موڑے وہ اونچے لہجے میں بولتا اپنی گاڑی میں بیٹھا۔ بیک مرر سے اُس کے مجسمہ بنے وجود کو دیکھتے کھل کر ہنسا۔ گاڑی کو موڑتا تیزی سے واپس مڑ گیا۔

پیچھے وہ اُس کے جواب پر سکتے میں کھڑی اپنے کانوں کے صحیح ہونے پر شک کرنے لگی۔

کیا واقعی اُس نے یہ کہا؟۔۔ اُس کے جواب میں صرف دو ہی لفظ اُس کی سوچ کو مکمل طور پر جکڑ چکے تھے۔۔

"تمہارا۔۔ شوہر"

اس کے دل کے حال سے بالکل بے خبر پانی کی بوندیں ٹپ ٹپ گرتی جا رہی تھیں۔



جہاں کہیں فضا میں محبتوں کی کھکھلاہٹوں کے گونجنے امکان تھے وہی دوسری طرح وحشتوں سے بنی دُنیا وجود میں آنے کو بے تاب تھی۔ اُس کی چال ابھی ابھی ایک ملکہ کی طرح تھی۔۔ جو کندھوں پر بھاری بوجھ اٹھا کر بھی سراٹھا کر چلنا جانتی ہو۔ سیاہ لباس پوری طرح بھیگ چکا تھا جس پر براؤن رنگ کی سادہ سے شال لیے وہ خود کو اچھی طرح سے ڈھانپ گئی تھی۔ یقیناً وہ شال اُس کی گاڑی میں ہوگی۔ سیاہ بال اچھی طرح سے بھیگ کر چہرے کے ساتھ چپکے ہوئے تھے جنہیں درست کرنے کی زحمت تک نہیں کی گئی تھی۔ آنکھیں شدت سے سرخ پر رہی تھیں۔ بالوں سے پانی نکلتا شال کو بھگونے کو بھی بے تاب تھا۔ وہ ملکہ کی طرح سراٹھائے محل میں داخل ہوئی۔ ہاتھ میں ڈائری ابھی بھی مضبوطی سے تھام رکھی تھی۔ اُس کے اوپر بارش سے بچنے کے لیے پلاسٹک سا چڑھایا ہوا تھا۔ راہداری سے ہوتی ہوئی وہ لاؤنج میں پہنچی۔ اس سے

پہلے وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھتی پیچھے سے ملازمہ کے آواز دینے پر رکی۔ پیچھے مڑ کر سوالیہ نظروں سے ملازمہ کو دیکھا۔ جعفری صاحب اُسے اسٹڈی روم میں بلا رہے تھے۔ وہ انہی کا پیغام پہنچانے کے لیے نیمل کو آواز دے رہی تھی۔

گہری سانس لیتے وہ اپنے قدم اسٹڈی کی جانب بڑھا گئی۔ حلیے کو درست کرنے کی زحمت ابھی بھی نہیں کی گئی تھی۔ ناوہ کرنا چاہتی تھی۔۔ نیمل ایسی ہی تھی۔۔ دوسروں کے سامنے اپنی رائے پیش کرنا اچھے سے جانتی تھی۔ اُسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا لوگ اُس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں، کیا کہتے ہیں۔۔ وہ ہمیشہ وہ کرتی تھی جس میں اسے بہتری لگتی یا جس میں وہ آرام دہ ہوتی۔

دروازہ نوک کر کے وہ اندر داخل ہوئی۔ لمحے بھر کو اُس کے قدم ٹھہرے۔ سامنے وہی پوٹریٹ لگا تھا۔ "سیاہ گیدڑ کا پوٹریٹ"۔

نیمل کو ہمیشہ کی طرح آج بھی اُسے دیکھتے وحشت سی ہوئی تھی۔ ہمیشہ یہ پوٹریٹ اُس کی توجہ کھینچنے میں مکمل طور پر کامیاب ہوتا تھا۔ اُسے کبھی اس کا مقصد سمجھ نہیں آیا۔ کیوں تھا وہ؟ اگر تھا بھی۔۔ تو گیدڑ ہی کیوں؟۔۔ اور اگر گیدڑ ہی تو "سیاہ" کیوں؟۔۔ پر خیر شاید اُسے اس کا جواب بھی جلد ہی مل جاتا۔۔ کون جانے!

"ڈیڈ"۔ نیمل نے ان کو اپنی طرف متوجہ کیا جو کسی سے فون پر گفتگو میں مصروف تھے۔ اُس کے بلانے پر کوہاتھ کا اشارہ کرتے سامنے پڑی گرسی پر بیٹھنے کا کہنے لگے۔ وہ خاموشی سے چال چلتی ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھ گئی۔ جعفری صاحب فون کاٹے میز پر رکھتے اُس کی جانب متوجہ ہوئے۔

"میں چاہتا ہوں کہ ہماری طرف سے اسلم پاشا کے خلاف کیس تم لڑو۔" انگلیوں کو باہم پھنسائے وہ گویا ہوئے۔

"اور آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟" سیدھی ہو کر بیٹھتی وہ قدرے آگے کو جھکی۔

جعفری صاحب ایک لمحے کوزے کے۔ انہیں لگا تھا وہ غصہ کرے گی۔ انکار کرے گی مگر وہ تو بہت پرسکون ہو کر ان سے سوال کر رہی تھی۔

"کیوں کہ تم پاکستان کی بہترین وکیل ہو۔ اور ہمیشہ جو کیس تم نے ہینڈل کیا ہے تم نے اپنی جیت یقینی بنائی ہے۔ اور مجھے یہ کیس ہر حال میں جیتنا ہے۔" گرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے وہ بھی پرسکون ہوئے۔ نیمل اُن کی بات پر مسکرائی۔ پراسرار سے مسکراہٹ تھی اُس کی۔ آنکھوں میں یک دم سے چمک ابھری۔

"میں ہمیشہ وہ کیس لیتی ہوں جس سے مجھے فائدہ ہو۔ اوہ کم ان ڈیڈ۔ آپ مجھے کیا فائدہ دے سکتے ہیں؟" اب کی بار وہ اپنی جگہ سے اٹھتی۔ میز کے اعتراف میں دونوں ہاتھ ٹکاتی گویا ہوئی۔ ڈائری ابھی بھی ہاتھ میں تھامے ہوئے تھی۔

نیمل کی بات پر اُن کے چہرے پر یک دم سے چمک آئی۔۔ کچھ فتح کر لینے کی چمک۔ یقیناً ان کی بات کی ہامی بھرنے والی تھی۔۔ وہ کچھ سوچنے لگے۔۔ کیا دے سکتے تھے وہ؟ پھر یک دم وہ ٹھہرے۔۔ یقیناً وہ جو دینے والے تھے مقابل اُس سے کبھی انکار نہ کرتی۔

"اذلان۔۔۔ اذلان شاہ میر دوں گا میں تمہیں۔" چہرے پر شیطانی چمک واضح ہوئی۔

نیمل چند لمحے سکتے کی حالات میں کھڑی رہی۔ جواب انتہائی غیر متوقع تھا۔ بالکل سوچ سے پڑے۔۔ وہ کیسے جانتے تھے اُس نے نہیں پوچھا۔۔ کو کب سے جانتے تھے۔۔ اُس نے نہیں پوچھا۔۔ وہ کیا کیا جانتے تھے۔۔ اُس نے یہ تک بھی نہیں پوچھا۔ پوچھا تو بس اتنا۔۔

"کورٹ کی ڈیٹ کیا ہے؟"

"آج سے پورے ایک ہفتے بعد۔۔" پھرتی سے جواب آیا۔

اک لمحے کے وقفے کے بعد وہ سیدھی کھڑی ہوئی۔ جانے کو پلٹی۔ دو قدم چلتی وہ پھر سے رکی۔۔

"سیاہ گیدڑ ہی کیوں ڈیڈ؟" نظریں ایک بار پھر سامنے دیوار پر لگے پوٹریٹ پر تھیں۔ بہت غیر متوقع سوال کیا۔ جانے کیوں مگر وہ اس بار خود کو روک نہ پائی۔۔ اُسے جاننا تھا۔۔ سیاہ گیدڑ ہی کیوں؟؟

جعفری صاحب جو فون اٹھا کر کسی کا نمبر ملا رہے تھے۔۔ ٹھٹھک کر رُک گئے۔۔ نظریں نیمل سے ہوتی دیوار کی جانب بڑھی۔

اب وہ فون ایک طرف رکھتے تھوڑی پر دونوں ہاتھوں کی پشت جمائے پوٹریٹ کو پوری محویت سے متکئے لگے۔ پھر وہ بولے تو ان کے لہجے میں تمسخر سادر آیا۔

"کوئی تھا۔ جس کو سیاہ گیدڑ بہت پرکشش لگتے تھے۔" مسکراہٹ لیے وہ گھمبیر آواز میں بولے۔

"دستبرداری" نیمل نے کچھ اچھنبے سے اُنھیں مڑ کر دیکھا۔

اُنہ۔۔ "موت"۔

نفی میں سر ہلا کر اب کی بار اشتیاق سے دیکھنے لگے۔ اُن کی آنکھوں میں عجیب سا کچھ چمکا۔ کچھ گہرا سا۔ جو اُس سیاہ محل سے زیادہ سیاہ تھا۔ کچھ وحشت ناک۔

نیمل تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔ کچھ غلط تھا۔ کچھ تو غلط تھا۔ اُسے سمجھ نا آیا کہ اچانک اُسے کیا ہوا۔ دماغ میں صرف ایک ہی لفظ بازگشت کرنے لگا۔

"موت"

اچانک اُس کی سانسیں گہری ہونے لگی۔۔ بار بار لڑکھڑاتے خود کو گرنے سے بچایا۔ رفتار میں مزید تیزی لیے وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ جلدی سے دروازہ لوک کرتی وہ بیڈ کی جانب بڑھی۔ بیڈ پر بیٹھنے کی بجائے نیچے بچھائے گئے نرم گرم قالین پر بیٹھتی وہ پائندی کے ساتھ ٹیک لگا گئی۔ کانپتے ہاتھوں سے خود کے گرد لپٹی شال کو ایک جھٹکے سے علیحدہ کرتی پاس ہی فرش پر پھینک گئی۔ جلدی سے کندھے سے لٹکائیگ اتارتی وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی ڈائری کو تکتے لگی۔

ذہن میں ابھی بھی ایک ہی لفظ گونج رہا تھا۔

"موت"

"موت"

موت

اس کی بصارت دھندلی پڑنے لگی۔۔ ہاں! آنسوؤں کی وجہ سے۔۔ نیمل جعفری کی آنکھوں سے یک دم آنسوؤں سے ابھرنے لگے۔ وہ لڑکی جو اپنے بھائی کی موت پر بھی ناروئی تھی نا جانے ابھی کیوں رونے لگی۔۔ شاید اذیت کم ہونے لگی تھی۔۔

ہاں! یقیناً۔۔ اُس کی آنکھیں اب خشک نہیں رہیں تھی۔

اذیتوں کی انتہا تو خشک آنکھیں ہوتی ہے نا۔۔ مگر اب آنکھوں میں آنسوؤں تھے۔۔ وہ خشک نہیں رہی تھی۔

کانپتے ہاتھوں سے وہ ڈائری کھولنے لگی۔۔ اُس میں اب ہمت آنے لگی تھی۔ اپنے بھائی کو وہ کیسے کھوسکتی تھی؟۔۔ اُس کی موت نہیں ہوئی تھی۔۔ وہ زندہ تھا۔۔ اگر نیمل زندہ تھی تو وہ کیسے مر سکتا تھا۔

اب کی بار دونوں آستینیں بارش کی وجہ سے نہیں بل کہ آنسوؤں کی وجہ سے بھیگ رہی تھی۔۔ بار بار وہ اپنی گیلی آنکھیں آنکھیں ان سے پونجی اپنی بصارت صاف کرنے لگتی۔

ڈائری کھل چکی تھی۔ تلاش کی راہوں پر اُس کا پہلا قدم رکھا جا چکا تھا۔
کانپتے ہاتھوں سے اُس نے پہلا صفحہ الٹا یا جس پر بہت شوق سے لکھنے والے نے اپنا نام درج کیا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اد اصعم جعفری"

نام پر نرمی سے ہاتھ پھیرتی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ کبھی اُسے نہیں بھولا سکتی تھی۔ جن کا آپ کی زندگی میں سب سے اہم کردار رہا ہو ان کی یادوں کو بھلانا کہا آسان ہوتا ہے۔؟

آہستہ آہستہ رات بھگتی جا رہی تھی۔۔ بارش رکنے کی بجائے اپنا زور پکڑتی جا رہی تھی۔۔ گھڑی کی سوئیوں کی طرح صفحے بھی آگے کی طرف پلٹتے جا رہے تھے۔ ہر صفحے کو پڑھتے اس کی آنکھیں مزید بھگتی جا رہی تھی۔۔ کہی اُس کے ساتھ بیتائے گئے لمحوں کا ذکر تھا تو کہی اُس پر گزری نا انصافیوں کا۔۔

نیمل کو آج ادراک ہوا تھا کہ وہ تو اس ادا صعم کو جانتی ہی نہیں ہے۔۔ وہ تو ہمیشہ دوسروں کو ہنساتا۔۔ دوسروں کی پرواہ کرتا۔۔ ہمیشہ مسکراتا رہتا۔ اُس کے بیرون ملک میں سات سال رہنے کے دوران کبھی اپنی پریشانیوں کا ذکر ہی نہیں کیا۔ کبھی اپنی تکلیف بتانا گوارا ہی نہیں کیا۔۔ اتنا ظلم۔۔ ڈائری لکھنے والا ادا صعم تو کوئی اور ہی تھا۔۔ ٹوٹا ہوا۔۔ بکھرا ہوا۔۔ چوڑ چوڑ ہوا۔۔ مگر ایک بات جو اُس نے آخری صفحے تک پہنچنے سے پہلے تک بہت شدت سے محسوس کی تھی کہ ان تمام صفحوں میں کہیں بھی سنیہا کا ذکر نہیں تھا۔۔ اُس کی Rūhum کا کہی ذکر کیوں نہ تھا؟۔۔ آخری صفحے سے پہلے کچھ صفحے غائب تھے۔۔ جیسے کسی نے جان بوجھ کر پھاڑے ہو۔ ایسا کیا تھا ان صفحوں میں جو اُن کو پھاڑنے کی نوبت آئی۔۔ کہی سنیہا کے بارے میں۔۔؟

نیمل اپنے گیلے رخسار کو بے دردی سے صاف کرتی آخری صفحہ بھی پلٹا گئی۔ اور اسی لمحے۔۔ اُس خوبصورتی سے سبے عالیشان کمرے میں۔۔ باہر ہوائوں اور پانی کے قطروں کے سنگم کے دوران۔۔ تلاش کی راہوں میں چلتے نیمل کے پاؤں۔۔۔ لڑکھڑا گئے تھے۔۔ وہ منہ کے بل گری تھی اُس ویران سڑک پر۔۔

میں نے کہا تھانا تلاش کی راہیں اتنی آسان نہیں ہوتی۔۔ ہر طرف کانٹے ہی کانٹے۔۔ اپنے جوابات پانے کے لئے اُن کانٹوں پر چلنا پڑتا ہے اور وہ بھی ننگے پاؤں۔۔ بہت سی چیزوں کا ٹکرانا ابھی باقی تھا۔۔ محبت تو نیمل کے ساتھ ٹکرائی تھی۔۔ اور اب جو اُس کے ساتھ ٹکرانے والا تھا وہ تھے رشتے۔۔

"نیمل جعفری کے اپنے رشتے۔"

ڈائری کے آخری صفحے کو پڑھتے یک دم دوبارہ سے اُس کی آنکھیں خشک ہوئی تھی۔

اُسے لگا کہ اذیتیں ختم ہونے لگی تھی۔۔ آنکھیں جو گیلے ہو گئی تھی۔ مگر کیا میں نے نہیں کہا؟؟

"اذیتیں کبھی ختم نہیں ہوتی۔۔ اُن سے نجات کے لیے مرنا لازم ہوتا ہے۔"

آخری صفحے پر لکھی اس سطر نے جیسے نیمل کو ایک جال میں دھکیل دیا تھا۔۔ الجھنوں سے بھرے ایک جال میں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"وہ اس لیے نہیں مرا کہ اس کی پیٹھ میں چھڑا گھونپا گیا تھا۔۔

بل کہ اس لیے مرا۔۔ کیوں کہ وہ مڑ کر قاتل محبوب کو پہچان گیا تھا۔"

کپکپاتے ہوئوں سے اُس نے لال رنگ سے لکھی گئی اُس بڑی سی سطر کو پڑھا۔۔۔ دل سینے سے باہر آنے کو بے تاب سا تھا۔

اک پہیلی کی طرح الجھ گئی تھی وہ۔۔

مگر سطر کا آدھا حصہ ابھی باقی تھا۔۔ جس کو پڑھنے کی ہمت اُس میں باقی نہ رہی۔۔ یا شاید۔۔۔ وہ پڑھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

وہ جان کر بھی انجان بن جانا چاہتی تھی۔ سطر کا آدھا حصہ اگر اپنے وقت پر ہی کھلے تو ہی بہتر رہے گا۔۔ بہت سے لوگوں کی زندگیوں کے لیے۔۔ بہت سے لوگوں کو مرنے سے بچانے کے لیے۔۔ سطر کا آدھا حصہ اگر وقت پر ہی کھلے تو بہتر رہے گا۔۔

کھڑکی کے دوسری طرف موجود کھلی فضاؤں میں تہجد کی اذانوں کی گونج بلند ہو چکی تھی۔۔ سکون کی طرف بلاوا آچکا تھا۔۔ BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ خاموشی سے اٹھی۔۔ ڈائری کو اپنی الماری میں رکھتی واشروم کی طرف بڑھی۔۔ کانپتے ہاتھوں سے وضو بنا کر باہر آئی۔۔ حجاب کی صورت میں ڈوپٹے کو لپیٹتے جائے نماز بچھایا۔۔ نیت باندھ کر نماز پڑھتی سجدے میں گر گئی۔۔

اُسے سکون چاہیے تھا۔۔ مکمل نہیں تو تھوڑا سا۔۔ کوئی چاہیے تھا جس کے آگے وہ اپنا دل کھول لیتی۔۔ جس کے ساتھ بغیر کسی جھجک کے وہ اپنی بات سکے سکتی۔۔ جس کے آگے وہ نیمل جعفری نہیں بس ایک انسان ہوتی جو بوجھ اٹھا کر تھک چکی تھی۔

"اور پھر جب نمازیں قضاء کرنے والے تہجد میں گرنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ٹوٹے دلوں کے جڑنے کا وقت بہت قریب ہیں۔"

جاری ہے۔۔۔۔۔

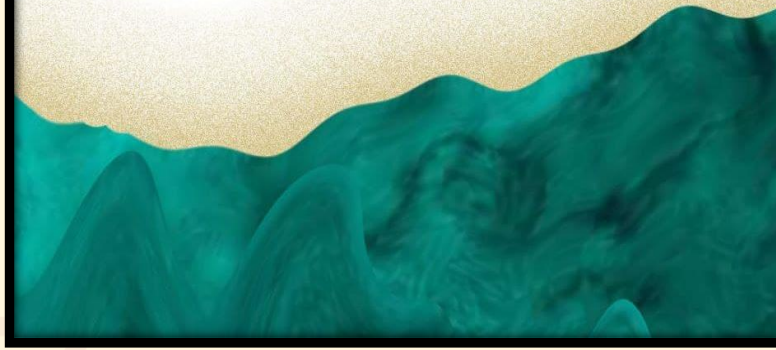
باقی آئندہ قسط میں

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

پل صراط

عنیزہ زاہد



"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہونا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آجائے گی۔' اس کے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

ایسین فتح



ابراہیم

"یہاں دستخط کرو غازہ ! " کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بڑی طرح کانپنے لگے۔ وہ تو با آسانی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر آدھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی حسرت میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! " سبیکہ کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔ "بچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سبیکہ ! اور یہ نیا دھور رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہنے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آ گئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمینڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو پیٹنے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

Click here

safareadab.com



دنوشہ آرزو

"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ج جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔۔" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھانجی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگ حب الہی تو اترتا نہیں۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہی رہوں گا۔ شوہر کی تمنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکراتے کی کوشش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سنگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔

"وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے توجہ جھانکے گی نا۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔

اچھا اتنے پریقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ناپ کیا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آخر۔۔۔" وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ در اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا لیتے؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنوں گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔ یہ کیسا عجیب سا سوال ہے۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ بھلا!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زور دار تھپڑ مار دیا۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آچکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے ہلٹی اور حسن خان وہیں دل تمام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کہے اس طرح کہ۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے سہنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔۔؟؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

Click here

safareadab.com

وراثت

فاطمہ ملک

ناول اجازت کی دیک جھلک

"کہتے ہیں محبت میں سات درجے ہوتے

ہیں۔ کشش، سحر، تعظیم، جنون، پیار، عبادت اور موت۔ اور

مجھے لگتا ہے پانچ درجے میں طے کر چکا ہوں۔۔ attract تم

نے مجھے تب کیا جب میں نے تمہاری اس برتھ مارک سے

لاپرواہی دیکھی۔"

ارسہ نے اپنے برتھ مارک پہ ہاتھ لگایا۔ وہ دلچسپی سے اسے

سن رہی تھی۔

وہ بھی بناپلک جھپکے اسے دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا

"سحر میں قید میں اسوقت ہوا جب تم مجھ سے لڑتے لڑتے

میرے لیے لڑی۔ جنون میں نے تب دیکھا جب تم اکیلی

بارش میں وہاں کھڑی تھی۔ میری جنونیت نے مجھ سے

آدھے گھنٹے کا راستہ پندرہ منٹ میں طے کرایا۔ اس دن مجھے پتا

چلا کہ مجھے کتنی ساری دعائیں یاد ہیں۔"

وہ تھوڑا سا ہنسا۔

"مجھے لگتا تھا میں تمہاری عزت نہیں کرتا تھا۔۔ اور اب ایسی

کرتا ہوں کہ تمہارے ہر فیصلے کی عزت کرنے لگا"

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

www.safareadab.com

اجازت

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

www.safareadab.com

افراء چاؤ پید

"میں کبھی نہیں مانتا کہ مجھے بھی اس قسم کا کچھ ہو سکتا ہے مگر
تم" ارسہ کھل کے مسکرائی۔

عمر نے ہاتھ بڑھایا۔

پھر دل پہ اور دماغ پہ اشارہ کر کے کہا
"یہاں بس گئی۔۔۔ جس لڑکی کو دیکھتا تم سے کمپنیر کرتا"

کیا اجازت ہے؟؟؟

ارسہ اب بلش کر رہی تھی۔

"اجازت ہے"

"باقی بچی عبادت اور موت وہ میں تمہارے ساتھ کرنا چاہتا

ہوں"

عمر اسکی اس ادایہ ہنس گیا۔۔

ارسہ کھل کے مسکرائی

"اتنا اچھا ڈانسیلاگ کہاں سے یاد کیا؟؟؟"

عمر بھی مسکرا دیا

مکمل ناول فری میں پڑھنے کے لیے یہاں
کلک کریں۔

safareadab.com

"جب جذبات ابھرتے ہیں تو ڈانسیلاگ یاد نہیں کرنے پڑتے
"

ارسہ کے چہرے پہ مسکراہٹ ابھری۔

"سوچ لو جرمنی میں بھی تم سے لڑو لگی"

عمر نے بھی اسی کے انداز میں کہا

"جرمنی میں میاں بیوی کے لڑنے پہ بین نہیں ہے۔۔ ہاں مگر

آہستہ آواز میں لڑنا"

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کارروائی کی جاسکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب